کرشن چندر

زندگاؤں کی رانی

U-11

بین الاقوامی شہرت کے مالک اور عظیم افسانہ نگار
کرشن چندر نے اپنے اس نئے ناول 'زرگاؤں کی رانی'
میں عورت کے دل میں چھپے ہوئے محبّت اور انتقام کے
اس شدید جذبے کی دلسوز عکاسی کی ہے، جس کے تحت
وہ اپنا پرایا کچھ نہیں دیکھتی۔ دیکھتی ہے تو صرف اپنی
خواہش کی تکمیل اور اس کے لئے اپنے آپ تک کو مٹا
ڈالتی ہے۔

پرائیویٹ لمیٹڈ
جی۔ ٹی۔ روڈ
شاہدرہ دہلی ۳۲

(کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی)

زرگاؤں کی رانی

کرشن چندر

ZARGAON KI RANI : NOVEL
KRISHAN CHANDER

قیمت ایک روپیہ

دوپہر کا کھانا کھا کے میں آرام کرنے کی نیت سے بستر پر لیٹا ہی تھا کہ میرا اردلی چارلی دروازہ ہی سے یہ کہتا ہوا اندر آیا ـــ "جلدی چلیے حضور، گڑھی سے آدمی آیا ہے رانی صاحبہ سخت بیمار ہیں۔"

آرام میں خلل پڑنے سے میں منھ ہی منھ میں بڑبڑاتا ہوا اٹھا۔ کیونکہ مجھے دوپہر میں قیلولہ کرنے کی عادت ہے اور جب اس میں کھنڈت پڑ جائے تو مجھے سخت اکھرتا ہے۔ مگر گڑھی کا حکم تو شاہی حکم ہوتا ہے۔ آزادی کے بعد اور ریاستوں کے خاتمہ کے بعد آج بھی زرگاؤں کے علاقہ میں رانی صاحبہ کی ایک طرح سے پوجا ہوتی ہے۔ گڑھی کی مالکن کا حکم کوئی نہیں ٹالتا۔ حالانکہ مجھے اس علاقہ میں تعینات ہوئے صرف پانچ روز ہوئے تھے لیکن اتنا تو میں نے اس عرصہ میں معلوم کر لیا تھا۔ جتنے عرصہ میں میں نے کپڑے بدلے اور بیگ سنبھالا۔ اتنے عرصہ میں چارلی میرا گھوڑا تیار کر چکا تھا۔ میں نے بیگ گڑھی سے آئے ہوئے آدمی کو دیا اور خود گھوڑا دوڑاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

زرگاؤں کا علاقہ پہاڑی ہے۔ لوگ اکھڑ، خوبصورت اور تند مزاج ہیں۔ اس علاقہ میں ابھی تک کوئی موٹر روڈ نہیں بنی ہے۔ گہری کھائیوں، کھنڈروں اور وادیوں والی زمین ایسی سنگلاخ ہے کہ [illegible] آسانی سے فصل پیدا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

لوگ زیادہ تر فوج میں بھرتی ہوتے ہیں اور خاندانی دشمنی کو نسل بہ نسل یاد رکھتے ہیں۔
میں گھوڑے کو ہمیز دے کر آگے بڑھا جا رہا تھا۔ ایک اونچے پہاڑی ٹیلے پر جہاں گڑھی کی سرخ فصیلیں کبھی اخروٹ کے گھنے درختوں میں چھپتی ہوئی کبھی دھوپ میں چمکتی ہوئی قریب آتی جاتی تھیں۔ مجھے اپنے بنگلے سے گڑھی کے پھاٹک تک پہنچنے میں کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے لگ گئے۔ پھاٹک پر دو چوبدار بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے ہمیں آتے دیکھ کر ہی گڑھی کے بڑے بڑے پھاٹک آہنی کنڈوں والے اور شیر اور مور کی چوبی تصویروں والے کھول دئے اور ہم اترے بغیر اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اندر چلے گئے۔
ایک محراب دار نیم تاریک ڈیوڑھی سے گذر کر گڑھی کے وسیع صحن میں پہنچ گئے۔ جہاں دھوپ تھی اور آسمان کھلا نظر آتا تھا اور پھولدار پیڑوں کی قطاریں تربیت یافتہ سنتریوں کی طرح کھڑی تھیں اور روشوں کے اردگرد چوکور قطعوں میں گھاس ایسی گہری سبز دبیز لہراتی اور اتراتی تھی۔ جیسے زرگاؤں کی گڑھی کا خاندان تھا۔ جو اس گڑھی میں اور آس پاس کے علاقہ میں گذشتہ بارہ سو سال سے حکومت کرتا چلا آیا تھا۔ ایسی گھاس شہروں کے علاقہ میں نہیں اگتی محض سائنس اور کھاد کی مدد سے نہیں اگائی جا سکتی۔ ایسی گھاس کے لئے بارہ سو سال کا تسلسل بھی ضروری ہے۔
ایک ملازم نے دوڑ کر میری رکاب پکڑ لی میں گھوڑے سے اتر آیا اور صحن کی روشوں پر چلتا چلتا سرخ پتھروں کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کے باغ میں پہنچا جہاں شاہ بلوط کے گھنے پیڑ تھے۔ اور اخروٹ کے چھدرے پیڑ تھے اور ترنگ کے گھیرے دار بڑے بڑے تنوں والے پیڑ تھے۔ جن پر انگور کی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں اور ان کے پس منظر میں ہمالیہ کی اونچی چوٹیاں برف کے فرغل پہنے نظر آ رہی تھیں۔ ان مغرور حسیناؤں

کی طرح جو سج سنور کر کسی پارٹی میں جانے کے لئے تیار ہوں مگر آپ کی طرف دیکھنے سے احتراز کر رہی ہوں۔ منظر اتنا خوبصورت تھا کہ میں چلتے چلتے رک گیا۔ چند لمحوں کے بعد میرے ساتھ آنے والے ملازم نے مجھے ایک شریفانہ ٹھوکا دیا اور میں چونک کر اس کے ساتھ ساتھ آگے چلنے لگا ——

پرانے چھتے ہوئے منقش محرابوں والے ایک دالان سے گذر کر ہم ایک زنانہ ڈیوڑھی میں پہنچے یہاں ایک مودب خادمہ نے خاموشی سے ہمارا استقبال کیا۔ ساتھ آنے والے دونوں ملازم ڈیوڑھی کے باہر ہی رہ گئے تھے اور اب میرا بیگ خادمہ نے سنبھال لیا تھا وہ تیز اور بے آواز قدموں سے ایک لمبی غلام گردش میں چلتی ہوئی مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گئی۔ غلام گردش کا غالیچہ بہت ہی پرانا اور قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ دو رویہ کاٹھ کی نازک راجپوتی محرابوں پر زرلفت کے پردے جھول رہے تھے اور ان پر کہیں کہیں کانسی سیاہ سنگ مرمر، پیتل اور اخروٹ کی لکڑی کے پرانے اور پر اسرار بت ایستادہ تھے چھت زیادہ اونچی نہ تھی اور اس سے پرانی وضع کی پرانی پرتگیزی لالٹینوں والے فانوس لٹک رہے تھے۔ پوری فضا میں اگربتی دھوپ اور لوبان کی مہک چھائی ہوئی تھی جو نہ جانے کیوں اپنی خوشبو کے باوجود میرے ذہن میں ایک بیزار سی کیفیت پیدا کرنے لگی۔ جوں جوں میں آگے بڑھتا گیا۔ اندر ہی اندر اپنے ماحول سے الجھتا گیا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا ایسا کیوں ہے۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ میرے شہری اور سائینسی تربیت یافتہ ذہن پر یہ ماحول گرانبار گذر رہا تھا۔

خادمہ پوری غلام گردش گھوم کر بائیں طرف ایک بند دروازہ کے سامنے لے گئی جس پر شیر اور مور کی چوبی تصویریں ابھری تھیں۔ تصویریں بھوری تھیں اور ان کی گرد کی زمین کا پینٹ شرخ رنگ کا تھا اور سبز دروازے کے دونوں طرف

اعلیٰ قسم کے چینی جیڈ کی جھالریں لٹک رہی تھیں، خادمہ نے بند دروازہ تک پہنچ کر مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا اور جب میں نے اسے اپنے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ تو وہ جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور خاموشی سے نگاہیں جھکا کر اس نے مجھے ہاتھ کے اشارہ سے اکیلے ہی اندر جانے کا اشارہ کیا ———
میں جیڈ کی جھالروں کی لڑیاں سرکا کر دروازہ کھول کر داخل ہوگیا۔ وہ چاندی کے پایوں والے ایک اونچے چھپر کھٹ نما بستر پر نیم دراز تھی۔ تکیوں نے اس کے سر کو اٹھا رکھا تھا اس کا چہرہ گول اور بوڑھا تھا وہ سبزی مائل آنکھیں بڑے تجسّس سے مجھے دیکھ رہی تھیں کیونکہ گڑھی کے اندر آنے کا اور گڑھی کی مالکن سے ملنے کا میرا یہ پہلا موقعہ تھا۔ اس لئے میں اُسے اور وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک تھی اور گال بخار کی حدّت سے یا کسی اندرونی کھولن سے تمتاتے ہوئے تھے اور سانس تیزی سے چل رہی تھی وہ شدید علیل دکھائی دیتی تھی مگر اس علالت میں بھی اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔
"ڈاکٹر گھوش ؟" مریضہ نے تحکمانہ لہجہ میں مجھ سے پُوچھا اور جب میں نے ذرا سا جھک کر اثباتی انداز میں سر ہلایا تو اس نے مسکرا کر مجھے بستر کے قریب رکھی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔
"کہاں تھے تم ؟ میں گذشتہ چار دن سے تمہارے لئے اپنا آدمی بھیج رہی ہوں" اس کی آواز میں ایسا طنطنہ تھا جیسے میں اس کا زرخرید غلام ہوں یہ لوگ آزادی کے بعد بھی اپنی عادتیں نہیں سدھار سکے۔ بارہ سو سال کی پُرانی عادت ہے۔ کیسے بدلے گی۔ کہنہ ہو کے ختم ہو جائے گی یا ختم کر دی جائے گی مگر اس کا بدلنا مشکل ہے۔

مجھے ایسا لگا جیسے میرے اندر ہی اندر غصہ بڑھ رہا ہے مگر اپنے غصہ پر قابو پاتے ہوئے میں نے بے حد مؤدب لہجہ میں کہا —— "رانی صاحبہ میں دورے پر تھا" پہاڑی علاقہ کے ڈاکٹر کو آتے ہی سب سے پہلے اپنے علاقہ کی حدود اور اس کے مریضانہ مسائل کا مطالعہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ تم کو سب سے پہلے میرے پاس آنا چاہیئے تھا۔ آج تک ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ میں زرگاؤں کی رانی ہوں۔ ریاست نہیں رہی تو کیا شرافت بھی ختم ہو گئی —— اس کے لہجہ میں ایک تیز اور تند شکایت تھی جس کی نوک بڑی بے رحم تھی مگر میں نے اسے بھی نظر انداز کر دیا اور ہمدردی بھرے لہجہ میں کہا۔

"مجھے بہت افسوس ہے۔ واقعی شدید افسوس ہے —— بتائیے آپ کو کیا تکلیف ہے؟"

"میں مر رہی ہوں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" میں نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے اس سے پوچھا "آپ اس درجہ علیل تو دکھائی نہیں دیتیں۔"

"ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے تمہارا معائنہ یہ بھی ظاہر کرے کہ مجھے کوئی خطرناک بیماری نہیں ہے۔ مگر میں جانتی ہوں کہ میں مر رہی ہوں اور دنیا کا کوئی قابل سے قابل ڈاکٹر بھی مجھے نہیں بچا سکتا۔"

اس کی آواز میں شدید قطعیت تھی۔ میری حیرانی بڑھتی گئی وہ میری سوالیہ خاموشی سمجھ کر بولی "تم اپنے دل میں جو سوچتے ہو ٹھیک ہی سوچتے ہو کہ جب میں واقعی مر رہی ہوں تو تمہیں بلانے کی کیا ضرورت مجھے پیش آئی۔ تمہارا سوال اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ مگر میں نے تمہیں علاج کے لئے نہیں بلایا ہے۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ وہ باتیں جو میں کسی اجنبی سے ہی کہہ سکتی ہوں اور تم میرے لئے

مکمل اجنبی ہو۔ کرسی میرے نزدیک کھسکا لو۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے "۔
" آپ کیا کہہ رہی ہیں ؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ دیکھئے میں ڈاکٹر ہوں۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں آپ کو بیماری کیا ہے آپ کیوں مرنے کی باتیں کر رہی ہیں"۔
"تم اپنا اطمینان کر سکتے ہو" رانی نے مجھے معائنہ کرنے کی اجازت دے دی۔
مریضہ کی نبض بہت تیز تھی۔ اسے ایک سو پانچ ڈگری کا بخار تھا اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور آنکھوں میں ایک وحشت ناک چمک تھی اور خون کا دباؤ خطرناک حد تک بڑھا ہوا تھا مجھے تو اس کی دماغی حالت بھی ٹھیک نہیں معلوم ہوتی تھی۔ سب ملا کر حالت واقعی خطرناک تھی میں نے مریضہ کے احتجاج کے باوجود اسے فوراً انجکشن دیا اور دوا پلائی اور دوسری طبی تدابیر اختیار کرنے پر زور دیا۔ وہ ہوں ہاں کرتی رہی اس کے چہرہ سے لگتا تھا جیسے وہ میری حماقتوں سے سخت عاجز ہے اور محض مجھے بہلانے کے لئے میری ہاں میں ہاں ملا رہی ہے۔
یکایک اس نے مجھے آستین سے کھینچ کر کرسی پر بٹھا دیا اور ایک تیز وحشیانہ سرگوشی میں بولی۔ "بیٹھ جاؤ اور سن لو، جلدی سن لو۔ وہ جیسے سنانے کے لئے میری جان میرے حلق میں اٹکی ہوئی ہے"۔
میں نے مجبور ہو کر اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیاں اپنی گود میں رکھ لیں اور ہمہ تن گوش ہو گیا۔ وہ میرے منع کرنے کے باوجود اٹھ کر اور تکیوں کا سہارا لے کر بستر پر بیٹھ گئی۔ یکایک اس کی نگاہ میرے سر پر سے گزر گئی اور دور پیچھے جا کر کہیں رک گئی۔ پھر اس کے بدن میں ایک تھرتھری سی آئی اور اس کی آنکھوں کی وحشتناکی بڑھ گئی۔ میں نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔
میرے پیچھے دائیں طرف کوئی تیس گز کے فاصلہ پر اس خوابگاہ میں سے ایک دروازہ ایک ڈرائنگ روم میں کھلتا تھا۔ دروازہ آدھا کھلا تھا آدھا بند تھا۔

آدھے کھلے دروازہ پر ایک پردہ بس اتنا ہٹا ہوا تھا کہ اس سے ملحقہ ڈرائنگ روم کا ایک گوشہ سا نظر آرہا تھا۔ ایک قیمتی قالین، ایک تپائی اور دیوار پر ایک تصویر ایک باوقار وجیہہ مرد کی تصویر جو چودھری برجس پہنے ہوئے ہاتھ میں ایک بندوق لئے کھڑا تھا۔

"وقت کیا ہے؟" مرلفیہ نے کانپ کر مجھ سے پوچھا۔

میں نے گھڑی دیکھ کر بتایا: "چار بجے ہیں۔"

وہ ہانپ کر بولی: "ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔"

اس نے ایسے مایوس اور ناامید لہجہ میں یہ کہا کہ میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"دو گھنٹے؟ کاہے کے لئے؟" میں نے حیران ہوکر پوچھا۔

اس نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی: "وہ تصویر جو تم نے ابھی دیکھی جو اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ کنور راج بہادر سنگھ کی ہے۔ ...."

چند لمحوں کے لئے رانی نے میری طرف سے منہ پھیر کر بائیں جانب کی کھڑکی میں دیکھا۔ جو ایک ڈھلوان باغ میں کھلتی تھی۔ باغ میں فوارے تھے اور وہ شریر بچوں کی طرح دھوپ میں مچل رہے تھے اور سورج کی روشنی میں کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔ اس کمرہ سے باہر دنیا بے حد جوان تھی ....

میں نے رانی کی نگاہوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا کہ رانی اس وقت اپنی خوابگاہ سے باہر کہیں جا چکی ہے۔ یکایک ایک گہری آہ اس کے ہونٹوں سے نکلی اور وہ یادوں میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

" ان دنوں دنیا بہت جوان تھی ۔ اسے ایٹم بم نے بوڑھا نہیں کر دیا تھا ۔ ان دنوں گیہوں روپے کا تیس سیر بکتا تھا لوگ عورتوں سے عشق کرتے تھے راشن کارڈ سے نہیں ۔ ان دنوں پھول کھلے تھے ۔ پات ہرے تھے ۔ دل جوان تھا ہوا میں ایک نیا پن تھا ۔ اب تو ہوا بھی بوڑھی ہو چلی ہے سسکیاں لے کر کراہتی ہوئی چلتی ہے ۔

ان دنوں میں بھی جوان تھی ۔ تم نے تو مجھے ان دنوں میں نہیں دیکھا تھا ۔ ان دنوں میں ایسی نہ تھی ۔ یہ چندربدن جواب دھواں دھواں سا ہو رہا ہے ۔ ان دنوں چمیلی کے پھول کی طرح سبک اور حسین تھا ۔ سارے جہان میں زرگاؤں کی راجکماریوں کی دھوم تھی ۔ میں اور اُرملا جو میری چھوٹی بہن تھی اور مجھ سے عمر میں دو سال چھوٹی تھی اور دگنی حسین تھی مجھ سے ۔ میں اور اُرملا جدھر سے گذر جاتے تھے ٹھنڈی سانسوں کا ایک غبار سا پیچھے چھوڑ جاتے تھے ۔ ہائے کیسے دن تھے وہ ۔ جب اپنے پسینے کو سونگھ کر نشہ ہو جاتا تھا ۔ آج کی عورتیں جوان نہیں ہوتیں ۔ جوان ہونے سے پہلے بوڑھی ہو جاتی ہیں بوڑھی ہونے سے پہلے نوکری کر لیتی ہیں اور اپنے شوہر سے زیادہ اپنے پراویڈنٹ فنڈ کا خیال کرتی ہیں ۔ یہ عورتیں بھلا عشق کریں گی ؟

عشق کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دل کے پات ہرے ہوں پر جب پیدا ہونے سے پہلے ہی پتے مُرجھا جائیں اور پھُول کملا جائیں تو عشق کون کرے۔

ایک لمحہ کے لئے رانی کے لہجہ اور چہرہ پر تیزی تلخی اور تندی کی ایک گہری چمک پیدا ہوئی پھر اگلے چند لمحوں میں دھیرے دھیرے بجھ گئی۔ اس کا چہرہ اور اک میٹھی مسکراہٹ اس کے چہرہ پر بکھر گئی۔

پھر بھی یہ بات میں مان لُوں گی کہ کوئی بھی عہد ہو، کوئی بھی زمانہ ہو، کوئی بھی ملک ہو، عشق تو عورت ہی کرتی ہے مرد زیادہ سے زیادہ چاہ سکتا ہے مگر عشق عورت ہی کرتی ہے کیونکہ مرد جسم ہے اور عورت رُوح ہے۔ اس لئے اگر کوئی مجھ سے پُوچھے کہ تم نے عورت ہو کے اس دُنیا میں کیا کیا ——؟ حالانکہ میں بہت سے کام گنا سکتی ہوں۔ میں نے زرگاؤں کے علاقہ پر حکومت کی جسے بارہ سو سال سے میرے آباؤ اجداد کرتے آتے تھے۔ پر جب آزادی آئی تو میں اسی علاقہ سے پارلیمنٹ کی ممبر چُن لی گئی اور پھر اس علاقہ پر میں دوسرے طریقہ سے حکومت کرنے لگی۔ میں نے رفاہ عام کے بہت سے کام کئے۔ اب تک پچاس لڑکیوں کی شادی اپنے خرچ سے کر چکی ہوں، میں نے مندر بنوائے اور تالاب اور ہر سال اپنے خاوند کی برسی پر پانسو براہمنوں کو کھانا کھلاتی ہوں۔ بدری ناراتھ سے کنیا کماری تک میں تمام تیرتھوں کی یاترا کر چکی ہوں اور زرگاؤں کے علاقہ کی ہر آبادی میں ہر سال اپنے خرچ پر سینکڑوں پیپے گنگا جل کے منگا کے مفت تقسیم کرتی ہوں کیونکہ اس سخت کوش، سخت گیر سنگلاخ پہاڑی علاقہ میں گنگا جل کا ملنا نایاب ہے اور گنگا جل مُنہ میں ٹپکائے بغیر کوئی ہندو کیسے شانتی سے مر سکتا ہے؟ میں نے دس آدم خور چیتے مارے ہیں اور شاید میں ہندوستان کی اور غالباً دنیا کی پہلی عورت ہوں جس نے اپنے ہاتھ سے اتنے آدم خور چیتے شکار کئے ہیں۔ میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔

مجھے یاد نہیں کہ آج تک کوئی جنگلی جانور خونخوار جانور میری رائفل کی زد میں آیا ہو اور جان بچا کر چلا گیا ہو۔ میں نے گیتا کی تفسیر لکھی ہے اور مجھے چھپایا دادی کو بتا سے بہت لگاؤ ہے۔ ہر سال اپنی گڑھی میں ایک شاندار کوی سمیلن کرتی ہوں جس میں صرف چھپایا وادی شاعروں کو مدعو کرتی ہوں۔ یہ سب کچھ میں نے کیا ہے لیکن کوئی اگر مجھ سے پوچھے کہ تم نے اپنی زندگی میں کیا کیا ہے؟ تو میں یہی کہوں گی کہ میں نے عشق کیا ہے اور ٹوٹ کر کیا ہے۔

وہ چپ ہو گئی۔ میں مڑ کر کنور راج بہادر سنگھ کی تصویر کو دیکھنے لگا جو چاندی کے فریم میں لگی ہوئی نظر آ رہی تھی جہاں میں بیٹھا تھا وہاں تصویر آدھی پردے کی اوٹ میں تھی۔ آدھی نظر آ رہی تھی پھر بھی جو کچھ نظر آ رہا تھا اُسے دیکھتے ہوئے یہ آسانی سے باور کیا جا سکتا تھا کہ کنور راج بہادر سے کسی نے ایسی ہی محبت کی ہوگی۔ میں نے ایسی وجیہہ شبیہہ بہت کم دیکھی ہے۔

میں نے اُسے کالرا کے گھنے جنگلوں میں پہلی بار دیکھا۔ کالرا کے جنگل زرگاؤں کے علاقہ اور ہرگاؤں کے علاقہ کے عین درمیان واقع ہیں اور دونوں ریاستوں کے بیچ میں ایک طرح کی سرحد کا کام دیتے ہیں۔ ان جنگلوں میں کاشت نہیں ہو سکتی۔ اور درخت نہیں کاٹے جا سکتے اور کوئی آبادی نہیں بسائی جا سکتی۔ یہ جنگل صرف شکار کے لئے محفوظ کر دیئے گئے ہیں اور ان میں صرف ہرگاؤں کے تعلقے اور زرگاؤں کی ریاست کے شاہی خاندان کے افراد شکار کھیل سکتے ہیں۔

انہی جنگلوں میں پہلی بار میں کنور راج سے ملی۔ وہ شاید اپنے ساتھیوں سے کٹ گیا تھا اور ایک چیتے کا اکیلا سامنا کر رہا تھا اور اس کی رائفل جام ہو گئی تھی۔ میں نے دیکھا دو دفعہ کلک کلک کی آواز آئی مگر رائفل نہیں چلی اور مغرور چیتا کنور راج پر جست لگانے کے لئے اپنے پچھلے پنجوں پر بیٹھ گیا۔ بس چند لمحوں کا معاملہ

تھا۔ وہ جست لے کر ہوا میں اڑے گا اور کنور راج کو اپنے پنجوں میں دبوچ لے گا۔
میں کھڑی دیکھ رہی تھی اور میں ایسی جگہ پر کھڑی تھی کہ میں اپنی رائفل کے ایک ہی وار سے چیتے کو ختم کر سکتی تھی۔ مگر میں وہیں کی وہیں کھڑی رہی۔ کنور راج نے ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں مجھے کھڑا دیکھا اور ہم دو اجنبیوں کی آنکھیں پہلی بار چار ہوئیں۔ وہ پھر چیتے کی طرف دیکھنے لگا اور جب چیتے نے جست لگائی تو کنور راج اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا۔ چیتے کا وار خالی گیا۔ چشم زدن میں کنور راج نے اپنی رائفل کو الٹا پکڑ لیا تھا اور اب وہ اپنی رائفل کے کندے سے چیتے پر پل پڑا۔ بڑی شاندار لڑائی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے دو چیتے لڑ رہے ہیں۔ اور میرے لئے لڑ رہے ہیں اور میں وہاں کھڑی مبہوت تک رہی تھی۔ کنور راج کی چھاتی اور بایاں بازو اور پیٹھ کا ایک حصہ لہولہان ہو چکا تھا مگر وہ دلیری اور ہوشیاری اور حیرت انگیز جیداری سے لڑ رہا تھا۔ اس لڑائی کے دوران کئی بار میری اور اس کی آنکھیں ملیں۔ نظریں چار ہوئیں۔ میں ایک لمحہ میں اس لڑائی کا فیصلہ کر سکتی تھی۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ اگر کنور راج کی نگاہوں میں ایک سوال تھا تو میری نگاہوں میں اس کا جواب بھی تھا۔

آخری بار ایسی تیزی سے جس پر چیتا بھی رشک کرے کنور راج نے حملہ کرنے والے چیتے کے پنجے سے پھسل کر ایک پہلوان کی طرح اسے چت کر دیا۔ پھر دونوں ہاتھوں میں رائفل پکڑ کر اس نے اٹھتے ہوئے چیتے کی کھوپڑی پر ایسا بھرپور وار کیا کہ کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہو گئے اور چیتے کا بھیجہ اس کے سر کے بالوں سے باہر بہہ نکلا۔ ایک آخری غراہٹ کے ساتھ چیتا ختم ہو گیا۔ کنور راج چند لمحوں تک ہانپتا کانپتا ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر وہیں چیتے پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

" میں اسے جنگل سے اٹھا کر گڑھی لے آئی ۔ آناً فاناً اس کے خطرناک طور پر زخمی ہونے کی خبر دونوں تعلقوں میں پھیل گئی کیونکہ کنور راج ہر گاؤں کے تعلقہ کا مالک تھا اور میں زرگاؤں کی رانی تھی ۔ دونوں تعلقوں سے رعایا اس کی خیریت معلوم کرنے کے لئے ٹوٹ پڑی مگر ڈاکٹروں کے مشورہ کی بنا پر میں نے اسے کسی سے ملنے نہ دیا۔

دس دن تک وہ زندگی اور موت کے درمیان لٹکتا رہا ۔ اس نے شدید زخم کھائے تھے بائیں کندھے پر اور دل کے قریب ذرا اوپر پسلیوں پر ۔ اگر چیتے کا پنجہ ذرا نیچے پڑ جاتا تو کنور راج کا خاتمہ یقینی تھا ۔ ڈاکٹروں نے مجھے بتایا اس کے سینے پر زخم کے نشان تھے اور جانگھ پر بھی ۔ وہ زخموں سے اٹا پڑا تھا اور پہلے دس روز تک تو ڈاکٹر بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ ان زخموں سے جانبر ہو سکے گا کہ نہیں ۔ مگر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ زندہ رہے گا ۔ اُسے میری خاطر زندہ رہنا ہی پڑیگا اس نے چیتے کو شکست نہیں دی تھی اس نے مجھے بھی شکست دی تھی ۔ فرق اتنا ہے کہ جب مرد شکست کھاتے ہیں تو صلح کرتے ہیں جب عورت ہارتی ہے تو اپنے آپ کو مکمل طور پر سپرد کر دیتی ہے ۔

" اُن دس دنوں میں میں نے دن رات ایک کر کے اس کی تیمارداری کی میں

دن میں جاگی اور رات میں جاگی اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی ایک پلک بھی جھپکی ہو کیوں کہ یہ اب میری لڑائی تھی۔ موت کے ساتھ اور مجھے اس لڑائی کو بہر صورت جیتنا تھا۔ حالانکہ نرسیں تھیں اور ڈاکٹر تھے اور علاج معالجے کا بہترین انتظام تھا مگر یہ میری لڑائی تھی اس لئے میں چوبیس گھنٹے مریض کی پٹی سے لگی رہتی تھی اور پلک تک نہ جھپکتی تھی۔ تمہیں تو زندہ رہنا ہی ہے میری خاطر کنور راج۔ اُرملا میری چھوٹی بہن بار بار میرے پاس آتی تھی اور مجھ سے آرام کرنے کے لئے کیسی کیسی ضد کرتی تھی۔ اُرملا میری بہت چہیتی ہے اور میں اس کی کوئی بات ٹال نہیں سکتی اور تھکن اور نیند سے میرا سارا جسم ٹوٹ رہا تھا لیکن میں پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ اگر میں ایک لمحہ کے لئے کنور راج کے بستر سے ہٹی تو موت کا چیتا اسے کھا جائے گا۔

" دسویں دن صبح کے وقت میں کہہ نہیں سکتی کب اچانک میری آنکھ لگ گئی اور میں اس کے بستر کے قریب آرام کرسی پر بیٹھی بیٹھی سو گئی۔ پہلی نیم غنودگی میں مجھے ایسا لگا جیسے دھیرے دھیرے قدموں سے اُرملا میرے پاس آگئی ہو اور پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیر رہی ہو۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں رہا کچھ معلوم نہیں میں کب تک سوئی۔

" اتنا یاد ہے کہ جب جاگی تو دن ڈوب چلا تھا شام ہو رہی تھی خادماؤں نے کمرے کے لیمپ روشن کر دئے تھے اور ان کی جھلملاتی ہوئی سنہری روشنی میں جب میری آنکھ پہلی بار کھلی تو میں نے دیکھا کہ کنور راج کو ہوش آگیا ہے اور اُرملا میری چھوٹی اور چہیتی بہن اس پر جھکی ہوئی چاندی کے چمچے سے کنور راج کے ہونٹوں میں سنگترے کا رس ڈال رہی ہے اور اس کے شانوں تک کٹے ہوئے بال اُرملا کے بار بار جھکنے سے کنور راج کے رخسار پر یوں جھک جاتے ہیں جیسے

ترسی ہوئی چوٹیوں پر برسات کے گھرے اور کالے بادل جھک جاتے ہیں۔
"کنور راج بہت مضمحل اور کمزور دکھائی دیتا تھا مگر اُرملا کی دلنواز مسکراہٹ کو اپنے چہرہ کے اس قدر قریب دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھی اک دلنواز کیفیت پیدا ہو گئی تھی —— وہ ایک بچہ کی طرح ہونٹ کھولے اُرملا کے ہاتھوں سے رس پی رہا تھا اور جس وارفتگی سے اُرملا کو دیکھ رہا تھا اُسے ایک نگاہ ہی میں پہچان گئی۔ میں لڑائی ہار گئی اُرملا نے شب خون مارا تھا۔
"میں یہ نہیں کہتی اس نے دیدہ و دانستہ ایسے کیا تھا۔ شاید مجھے سوتے ہوئے دیکھ کر اس نے مجھے خوش کرنے کے لئے کنور راج کی تیمارداری سنبھال لی تھی۔ شاید اس دن کنور راج کو ہوش میں آنا تھا میں جو مسلسل نو روز سے جاگ رہی تھی شاید اس دن میری نیند کو آنا تھا اور ہونی کو ہونا تھا کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟ اتنا ضرور جانتی ہوں کہ جب میں نے آنکھ کھولی اور اُرملا اور کنور راج کو آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھا تو ایسا لگا جیسے ان دونوں کی جان پہچان چند گھنٹوں کی نہیں ہے چند برسوں کی ہے، چند صدیوں کی ہے شاید ہمیشہ سے ہے۔ دل میں ایک خنجر سا اُترتا محسوس ہوا مگر میں ضبط کر گئی۔ میں نے اپنے زخموں سے رستا ہوا لہو آپ ہی پی لیا ہونٹ سی لئے۔ اور یوں ظاہر کیا جیسے میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں ....
" اس دن سے میں آپ ہی آپ اس سے پیچھے ہٹتی چلی گئی اور اُرملا آگے بڑھتی چلی گئی۔ ابھی کچھ ہوا نہ تھا میں نے ایک لفظ محبت کا نہیں کہا تھا دس دن تک جب تک وہ بے ہوش رہا میں جیسے اسے اپنی گود میں لئے بیٹھی رہی اور دل ہی دل میں نے اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کر دیا۔ وہ کیسے سمجھ سکتا تھا۔ اُرملا بھی کیسے جان سکتی تھی کیونکہ ابھی کچھ ہوا نہ تھا۔ ابھی ایک

لفظ جان پہچان یا واقفیت کا ایک نگاہ یا ایک تبسّم تک ہمارے درمیان مشترک نہ ہوا تھا۔ یہ کہ میں نے اُسے اپنے دل میں جگہ دی تھی۔ اس کا علم صرف مجھے تھا یا میرے دل کو۔

"مگر صرف میرے قدم ہی پیچھے ہٹے تھے۔ میری محبت پیچھے نہیں ہٹی تھی۔ میں پیچھے ہٹنے والی عورتوں میں سے نہیں ہوں اکثر لوگ یا تو جھک جاتے ہیں یا ٹوٹ جاتے ہیں۔ میں نہ جھک سکتی ہوں نہ ٹوٹ سکتی ہوں میں صرف مر سکتی ہوں۔"

"تم مجھے نہیں جانتے۔ میں نے آج تک ہار نہیں مانی مگر اُرملا تو میری سگی بہن تھی میری اپنی جیجیتی۔ میں اس سے کیا کہتی ؟ تم نے اُرملا کو نہیں دیکھا دیکھتے تو دیکھتے ہی رہ جاتے کوئی اس سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ایسی بھولی ایسی معصوم ایسی پیاری ایسی نازک ایسی سبک جیسے اس کا جسم نسیم سحری سے تراشا گیا ہو اُسے کوئی کیا کہہ سکتا تھا۔ وہ مجھ سے اتنا پیار کرتی تھی، اتنا مجھ سے ڈرتی تھی کہ ممکن ہے کہ میں اس سے کچھ کہتی تو وہ وہیں سہم جاتی اس کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو نکل پڑتے یا وہ وہیں میرے سامنے کھڑے کھڑے اپنے جرم کے احساس کی وحشت سے مر جاتی زندگی میں آج تک اُسے صرف پیار ہی پیار ملا تھا۔ اس کے مرحوم ماں باپ نے پھر اُن کے بعد اس کی بڑی بہن نے اُسے صرف پیار ہی دیا تھا اور وہ بھی صرف اس لائق تھی کہ کوئی اس سے پیار کرے یا وہ کسی سے پیار کرے وہ نہ میری طرح حکومت کرنے کے لئے بنائی گئی تھی' نہ شکار کھیلنے کے لئے' نہ پارلیمنٹ کا ممبر بننے کے لئے' نہ کسی رعب' جاہ' دبدبے کے لئے .... وہ صرف پیار کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اِس لئے میں نے اپنے آپ کو ہٹا لیا ـــــ مگر مکمل طور پر ہٹا نہ سکی میں بھی اس کی تیمارداری میں لگی رہی اُرملا بھی۔ پھر دھیرے دھیرے یوں

ہوا اور بالکل غیر محسوس طریقے پر ایں ہوا جیسے اُرملا کے پاس زیادہ وقت ہے
اُسے دینے کے لئے اور میں ریاست کے کام دھندوں میں مصروف ہوں۔ اب
میں اس کے پاس بیٹھتی تھی مگر محض اپنے دل کو جلانے کے لئے اپنے شبہوں کو
بڑھانے کے لئے اپنے زخموں کو نمک لگانے کے لئے۔ اس جلنے، تپنے، کڑھنے
میں بھی اک مزا ہے۔ اس لذّت کو وہی جانتا ہے جس نے کبھی اپنے محبت کے
زخموں کو خود ہی چھیڑا ہو۔

"میں چھپ چھپ کر ان کی باتیں سُنا کرتی تھی ایک دن کنور راج اُرملا سے
پوچھ رہے تھے۔

"تم کہتی تھی کہ رانی جی نے نو دن تک دن رات جاگ کر دلی تیمارداری کی۔
اور اس وقت کسی دوسرے کو میرے قریب نہ آنے دیتی تھیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" اُرملا نے جواب دیا۔

"تو اب وہ مجھ سے اتنی دور دور کیوں رہتی ہیں؟"

"ریاست کے کام ہوتے ہیں۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔" کنور راج نے سر جھکا لیا پھر سوچ سوچ کر بولا۔
"مگر تمہاری بہن بڑی سنجیدہ رہتی ہیں۔"

"ہاں سنجیدہ تو ہیں۔ کیونکہ ریاست کا کام وہی دیکھتی ہیں۔" اُرملا بولی!
"مجھے تو سمجھ آتا ہی نہیں میں تو کچھ کر ہی نہیں سکتی۔ سبھی بہن کرتی ہیں۔"

"کیا ان کی زندگی میں آج تک کوئی مرد نہیں آیا؟"

"میں نے تو دیکھا نہیں۔"

"شاید وہ محبت نہیں کر سکتیں!" کنور راج اُرملا کا ہاتھ دیکھتے ہوئے
بولا۔ "اُن کی شخصیت میں وقار اور دبدبہ زیادہ ہے ان کی عزت کی جا سکتی ہے

ان سے محبت نہیں کی جا سکتی۔"

"واہ۔ تم کیسی باتیں کرتے ہو؟ میں تو ان سے محبت کرتی ہوں۔" اُرملا نے احتجاج کیا۔

"مجھ سے بھی زیادہ؟" کنور راج نے پوچھا!

"تمہاری بات اور ہے۔" اُرملا کی آنکھیں جُھک گئیں اور وہ بڑے کمزور لہجہ میں بولی —— کنور راج نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے اپنی انگلی رکھ کر اس کے چہرہ کو اتنا اُونچا کیا کہ اُرملا کی ڈبڈباتی ہوئی نیلی آنکھیں اس کی اپنی سیاہ آنکھوں کے بالکل سامنے آگئیں —— کنور راج نے اُرملا کے چہرہ کو اپنے دونوں ہاتھوں کے ہالے میں لے لیا اور بڑے غور سے اُن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمہاری آنکھوں سے مجھے ڈر نہیں لگتا تمہاری آنکھیں ایسی ہیں جیسے جھیل میں نیل کمل کھلے ہوں۔ مگر تمہاری بڑی بہن کی آنکھوں سے مجھے ڈر لگتا ہے وہ گہری سبز آنکھیں کسی چیتے کی آنکھیں معلوم ہوتی ہیں۔"

"میں اس سے زیادہ نہ سن سکی۔ بے آواز قدموں سے وہاں سے بھاگ گئی اور دوڑ کر اپنی خوابگاہ میں چھپ گئی۔ میں نے آنسوؤں میں تیرتی ہوئی اپنی سبز پتلیوں کو دیکھا۔ اس دُنیا میں کوئی کیا بدل سکتا ہے! نہ اپنی فطرت، نہ اپنی آنکھوں کا رنگ، نہ اپنے وحشی دل کے ڈھنگ ——

"اچھا تو میری آنکھیں چیتے کی ہیں؟ مگر کیا تم نے کبھی کسی چیتے کو روتے دیکھا ہے کنور؟ میری طرح روتے ہوئے دیکھا ہے، آنسوؤ بند ہو جاؤ .... چیتے رویا نہیں کرتے —— میں نے آئینے میں دیکھتے ہوئے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ لئے واقعی مجھے چیتے ہی کی طرح بہادر اور بے رحم ہونا پڑے گا۔

"تین ماہ میں اس کے زخم بھر گئے اور وہ اس قابل ہوگیا کہ کبھی میرے سہارے کبھی اُرملا کے سہارے پائیں باغ میں چل سکے۔ رستے میں اِدھر آتے ہوئے پیچھے ہوئے برآمدے کے باہر تم نے وہ چھوٹا سا باغ ضرور دیکھا ہوگا جس میں اخروٹ، شاہ بلوط اور تنگ کے درخت ہیں۔ خاص طور پر اس کے بیٹھنے کی جگہ وہ تنگ کا درخت تھا جو باغ کے مغربی جانب واقع ہے، کھڈ کی طرف، جس پر انگور کی بیلیں سب سے گھنی اور گہری ہیں اور جس کے قریب سنگ مرمر کی دیوار ہے جو باغ کو کھڈ سے جدا کرتی ہے۔ اس باغ کے نیچے کھڈ چار ہزار فٹ گہری جاتی ہے۔ اور یہاں سے بان گنگا کی ندی اور اس کی وادی اور اس سے پرے ہمالیہ کے اونچے اونچے برفیلے پہاڑوں کا کہستانی سلسلہ چلتا ہے ——— کنور راج کو وہ جگہ بہت پسند تھی اور جب وہ اس قابل ہوا کہ اپنے کمرہ سے اُٹھ کر باہر چل پھر سکے تو وہ اکثر یہاں آکر ٹہلتا تھا کبھی آرام کرسی پر بیٹھ جاتا تھا۔ کبھی یہیں صبح کا ناشتہ کرتا تھا۔ شام کی چائے تو اکثر یہیں ہوتی تھی۔ چاندنی راتوں میں اکثر میں نے اُسے اُرملا کے ساتھ ٹہلتے ہوئے دیکھا ہے۔ جب ان دونوں کا خیال تھا کہ میں اپنی خوابگاہ میں پڑی سو رہی ہوں میں نے کنور راج کو اُرملا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ٹہلتے دیکھا ہے

دونوں ایک دوسرے سے لگے ہوئے ایک دوسرے پر جھکتے ہوئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ تنگ کا درخت ہے۔ اُرملا انگور کی بیل ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح لپٹ گئے ہیں جیسے اب کبھی جدا نہ ہوں گے اور ان دونوں کے اوپر نیا نویلا چاند کسی قاتل کے خنجر کی طرح خوبصورت۔ اور میں صحن کے پردوں میں چھپی ہوئی دیکھتی ہوئی، روتی ہوئی تم سوچ بھی نہیں سکتے ڈاکٹر گھوش! وہ دن کتنے خوبصورت تھے۔ جب میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی اُمیدوں کا خون ہوتے دیکھا تھا۔ کبھی اُرملا سنگ مرمر کے چبوترے پر چڑھ جاتی اور اس پر کھڑے ہو کر تنگ کے پیڑ سے لٹکتے ہوئے انگور کے خوشوں سے انگور توڑ توڑ کر کھانے لگتی۔ ایک دانہ اپنے مُنہ میں ایک دانہ کنور راج کے مُنہ میں۔ ایک آنسو میرے رخسار سے بہتا ہوا ہَوا ہولے ہولے دف بجاتی ہوئی، دور نیچے بان گنگا کا دھیما دھیما آرکسٹرا اور چبوترہ پر کھڑی پاؤں میں پائل کھنکھناتی ہوئی، ناچتی ہوئی، رجھاتی ہوئی ارملا۔ اور چاند کی سیمیں قلم سے ترشا ہوا تیکھا میرے کنور راج کا رُخ، مُسکراتا ہوا، ہنستا ہوا، بیحد حسین اور بے پناہ جوان جسم۔ ناچتی ہوئی اُرملا کو سنگ مرمر کے چبوترے سے ایک پھول کی طرح اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لینے والا۔ پھر اسے اُوپر ہوا میں اُچھال کر ہنستی کھلکھلاتی اُرملا کو اپنی باہوں کی گود میں اٹھا لینے والا .... واقعی اس درد کی کوئی منزل نہیں ہے۔ زخم جتنا گہرا ہوتا ہے اتنا ہی مزا دیتا ہے۔ پھر سوچ سوچ کر میرے دل میں خیال آیا کہ اُرملا کے حُسن کی کاٹ کوئی اس سے بہتر حُسن ہی کر سکتا ہے اور یہ سوچتے ہی میرا ذہن چمپا کلی کی طرف گیا ——————

دیکھئے۔ یوں تو رانیاں اور راج کماریاں بہت حسین ہوتی ہیں مگر ان کا حسن چیختا چلّاتا ہوا حُسن نہیں ہوتا ہے۔ وہ کچھ تو حسین ہوتی ہیں کچھ خاندانی وجاہت اور دبدبہ ان کے حُسن میں اضافہ کر دیتا ہے، کچھ پروپیگنڈا، کچھ دیکھنے والے کا تصور، ایک معمولی

سی قبول صورت راج کماری بھی کیا سے کیا دکھائی دینے لگتی ہے۔ میں جانتی ہوں
اُرملا ایسی خوبصورت نہ تھی۔ وہ واقعی حسین تھی مگر وہ مارلن منرو تو نہ تھی، وہ
چمپا کلی بھی نہ تھی۔"

"یہ چمپا کلی کون ہے؟"

"ہر ریاست میں ایسی لڑکیاں رکھی جاتی ہیں جن کا بپھرا ہوا بے پناہ حسن اپنے
سینے، عشوہ انداز سے مرد کو بے قابو کر سکتا ہے اُسے پاگل بنا سکتا ہے اس
کا زہد و تقویٰ آنِ واحد میں لوٹ سکتا ہے۔ اپنے ہاں یہ روایت بہت پرانی ہے
اور راجہ اندر کے وقت سے چلی آ رہی ہے جنہوں نے گرو وشوامتر کی تپسیا سے
اپنا سنگھاسن ڈولتا دیکھ کر منیکا اپسرا کو ان کی تپسیا بھنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا،
——— وہ کہانی تو تمہیں یاد ہو گی۔"

میں نے مسکرا کر آہستہ سے سر ہلا دیا۔

"بس اُسی دن سے ہر راج میں ایسی لڑکیاں رکھی جاتی ہیں، نام بدلے جاتے ہیں
ان کے۔ ہر عہد میں، لیکن کام نہیں بدلتا ہے دیوتا انہیں اپسرا کہتے ہیں۔ کوئی انہیں
دیوداسی کہتا ہے، کوئی کنیز کہتا ہے۔ آج کل وہ کال گرل یا کنٹریکٹ گرل کہلاتی
ہیں۔ مگر محض نام بدلنے سے کہیں انسان بدلتے ہیں یا ان کا پیشہ بدلتا ہے؟ ———
بات تو وہی ہے۔

"چمپا کلی ایک ایسی ہی لڑکی تھی اور میرے ہاں اس کام کے لئے ملازم تھی اُسے
صرف مشکل ترین مرحلوں میں ڈالا جاتا تھا اور آج تک اس کا ریکارڈ تھا کہ وہ کبھی ناکام
نہیں لوٹی تھی۔ ایک ہی ہلے میں توبہ توڑ دیتی تھی اور مرد کو اس درجہ رام کر لیتی تھی
کہ وہ اس کے ہاتھ سے گھاس بھی کھانے کو تیار ہو جاتا تھا اور مزے کی بات یہ
ہے کہ اُسے خود کچھ نہیں کرنا پڑتا تھا بس وہ ایک بار مرد کے قریب سے ترچھی نگاہوں

سے دیکھتی ہوئی گذر جاتی تھی۔ اس کے بعد آسے کچھ نہیں کرنا ہوتا تھا۔ اسی لئے تو اسے ہمیشہ مردوں کی نگاہوں سے دور محل کے زنانے میں الگ رکھا جاتا تھا اور اس پر کڑی پابندیاں عائد تھیں اور بڑی سختی سے اس کی نگہداشت کی جاتی تھی اور مردوں سے اسے دُور رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ بم کو ہمیشہ اسلحہ خانہ میں رکھتے ہیں اور صرف ضرورت کے وقت استعمال کرتے ہیں۔

" مگر اس بار میں چمپا کلی کو استعمال کرتے وقت بے حد خائف تھی۔ کنور راج بچے تو ہیں نہیں کہ معاملہ بندی کو نہ سمجھ سکیں یا شطرنج کی اس چال کو جس کا مہرہ چمپا کلی تھی۔ ممکن ہے اس کا شبہ مجھ پر پڑے اور یہ بہت ممکن بات ہوگی۔ خائف ہونے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ کنور راج اُرملا کی محبّت میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ مجھے یقین نہیں تھا وہ کبھی چمپا کلی سے التفات کریں گے مگر کوشش کرنے میں حرج کیا ہے اگر اپنا حُسن ہار جائے تو کسی دوسرے کا حُسن مستعار لینے میں کیا مضائقہ ہے؟ عشق اور جنگ میں سب جائز ہے۔ اور ایک بار اگر بھولے سے بھی کنور راج نے چمپا کلی سے التفات ظاہر کیا تو میں خود اُرملا کو وہاں لے جاکر اپنی آنکھوں سے اُسے سب دکھا دوں گی۔ سب سے پہلا کام تو میں نے یہ کیا کہ چمپا کلی کو اُرملا کی تحویل میں دے دیا۔ اب وہ اُرملا کی باندی ہوگئی مگر ہر روز مجھے رپورٹ دیتی رہتی تھی۔"

"آج کچھ نہیں ہوا۔"

" آج بھی دن خالی گیا۔"

"راج کماری جی تو مجھے محل سے باہر ہی نکلنے نہیں دیتیں۔ کہیں کنور راج کی نظر مجھ پر نہ پڑ جائے۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

"آج تو میں نے توبہ توبہ —" چمپا کلی نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے

کہا۔" ایسی ہمت دکھائی کہ پسینے چھوٹ رہے ہیں اب تک۔ میں نے راج کماری جی سے صاف کہہ دیا۔ آپ ڈرتی ہیں شاید مجھ سے ...."

" اُرملا جی کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا۔ بولیں آج شام کی چائے تم پلاؤ گی۔ کنورراج کو، پائیں باغ میں موجود رہنا، سو میں رہی' میں نے چائے پلائی ___ کنور جی مجھے دیکھتے رہے چائے کے ساتھ ساتھ آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے بھی پیتے رہے۔ میں وہ نگاہیں پہچانتی ہوں۔"

چمپا کلی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

دوسرے دن چمپا کلی پھر آئی۔

" آج تو اُرملا جی نے مجھے کنورراج کی خوابگاہ میں بھیج دیا۔ دودھ کا گلاس دے کر ____ میں رکھ آئی!"

" کنورراج کمرہ میں تھے؟" میری سانس رُکنے لگی۔

" ہاں تھے۔"

" دیکھا انہوں نے؟"

" ہُں دیکھا۔"

" ہات بھی پکڑا؟" میرا دل دھڑکنے لگا تھا۔

" نہیں ___ بس دیکھتے رہے۔ میں نے دودھ کا بھرا گلاس تپائی پر رکھ کر جالی سے ڈھانپ دیا۔ تپائی کو ان کے چھپر کھٹ کے قریب لگا دیا۔ جھکنے میں اور پھر جھک کر اوپر اٹھنے میں آپ جانتی ہیں دنیا کی کوئی عورت میرا مقابلہ نہیں کر سکتی میں دیکھ رہی تھی کہ کنور جی کا چہرہ فق تھا اور ہات کانپ رہے تھے۔ میں کچھ دیر ان کی چھپر کھٹ کے پاس کھڑی تپائی ٹھیک کرتی رہی جب وہ کچھ نہیں بولے تو کولھے مٹکا کر چلنے لگی اور دو قدم چل کر مڑ کر انہیں ترچھی نظروں سے دیکھ کر کہنے لگی ___

" میں جاؤں ؟"

" وہ پہلے تو کچھ نہیں بولے پھر بولنے کی کوشش کرتے رہے۔ آخرکار کہنے لگے۔

" ذرا میری چھپر کھٹ پر چڑھ کر اس روشنی کو ٹھیک کرتی جاؤ جو میرے سر کے پیچھے ہے۔ پڑھنے میں روشنی کا زاویہ ٹھیک نہیں بیٹھتا۔"

" میں نے لہنگے کو ٹخنوں سے اوپر گھٹنوں تک چڑھا لیا اور چھپر کھٹ پر چڑھ گئی ـــــ میں ان کے سر کے قریب روشنی ٹھیک کرتی رہی اور میرا خیال ہے کہ وہ میرے ٹخنوں کی گولائی اور میری صندلی پنڈلیوں کی گداز دیکھتے رہے ہونگے ـــ میں ہر پل اپنی ننگی ٹانگوں پر ان کے لمس کی منتظر تھی مگر جانے وہ کیسے صبر کر گئے۔"

"پھر ؟"

"پھر میں چھپر کھٹ سے نیچے اتر آئی۔"

اور ان کے پائینتی کھڑی ہو کر بڑی ادا سے بولی ۔" آپ کے پاؤں دبا دوں؟"

وہ بڑی مشکل سے بولے " کل رات کو آنا !"

اتنا کہہ کر وہ منہ میں دوپٹہ دے کر زور زور سے ہنسنے لگی ـــــ " رانی جی مردوں کے پاؤں بڑے چکنے ہوتے ہیں ۔ عورت کو دیکھتے ہی پھسل جاتے ہیں مگر عورت ہونی چاہیئے۔"

وہ اپنی ایک پازیب کو دوسری پازیب سے بجاتے ہوئے بولی

" اب دیکھئے کل رات کیا ہوتا ہے ؟" وہ میرے سامنے انگڑائی توڑنے لگی۔

میں نے کہا " چل ہٹ دفع ہو مردود ......"

" مگر دوسرے دن کے لئے میں نے سب انتظام کر لیا۔ چمپا کلی کو سب پڑھا لکھا دیا۔ اُرملا کو شبہ تک نہ ہونے پائے ۔ کنور جی سے کہنا تم بارہ بجے رات کو آؤ گی۔ بتی گل کر دیں دروازہ بھیڑ دیں ۔ مگر اندر سے بند نہ کریں ۔ تم پرو تما کو لے کر

اندھیرے کمرہ میں گھس جانا پروتما کو چھپر کھٹ کے پیچھے چھپا دینا۔ جب ہم دستک دیں گے تو تم چھپر کھٹ سے مت اٹھنا ——— پروتما دروازہ کھول دے گی روشنی ہم لے کر آئیں گے۔ ہمارے ساتھ اُرملا بھی ہوگی۔"

"سمجھ گئی، سمجھ گئی" وہ شوخی سے سر ہلا کر بولی "سب سمجھ گئی ...... بے فکر رہیئے رانی جی کل سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ اس کی آواز میں لہجہ میں جذبے کی ایسی لپک تھی جیسے وہ خود آنے والے کل کے لئے بے تاب ہو۔

"بات کا یہ رُخ اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ چمپا کلی کی بے تابی دیکھ کر مجھے کچھ بُرا سا بھی لگا مگر کنور راج کو اُرملا سے الگ کرنے کا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا اس لئے میں نے سب انتظام کر لیا۔ پروتما سے کہہ دیا دیوان جی سے کہہ دیا کہ وہ آ کے مجھ سے شکایت کریں۔ اُرملا کو میں کل اپنے کمرہ میں رات کے بارہ بجے تک روک لوں گی ——— دیوان جی آئیں گے سب ماجرا بیان کریں گے میں حیرت سا میں رہ جاؤں گی۔ اُرملا کے چہرے کی طرف تکوں گی جس کی آنکھوں میں آنسو ہوں گے میں باور نہیں کروں گی دیوان جی مجھ سے موقع واردات پر جانے کے لئے کہیں گے۔ میں اُرملا کو ساتھ لے کر چل دوں گی۔ ایک نظر میں معاملہ ختم ہو جائے گا۔"

"طے تو سب ہو گیا مگر رات بھر نیند نہیں آئی۔ چمپا کلی کا بے قرار اور بے تاب جسم آنکھوں کو ڈستا رہا۔ صبح ہوئی دوپہر ہوئی شام ہوئی رات ہوئی رات کے بارہ بھی نہ بجے تھے کہ میں بے قرار ہو کر کنور جی کے کمرہ کے دروازہ تک آ پہنچی تھی۔ ابھی چمپا کلی کا ایک قدم دروازہ کے اندر تھا دوسرا دروازہ کے باہر اور اس کے پیچھے پروتما ایک سیاہ لبادہ اوڑھے کھڑی تھی کہ میں نے اندر جاتی ہوئی چمپا کلی کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا اور اُسے چابک پر چابک مارنے لگی "تمہیں ایسا جسم رکھنے کا حق کیا ہے چمپا کلی؟ تم تو اس کے سینے سے لگ کے سوؤ اور میں اس کے قدم

بھی نہ چھُو سکوں۔ تمہیں اس کے ہونٹوں کے بوسے ملیں اور ہمیں اس کی گالیاں بھی
نہ سن سکوں یہ کہاں کا انصاف ہے ؟"

"چمپا کلی پہلے چند لمحے تو حیرت زدہ رہی پھر چیخنے چلانے لگی مگر سر جھکا کے
مار کھائے جاتی تھی اور میرے پاؤں کو بار بار ہاتھ لگا کے رحم کی بھیک مانگے جاتی
تھی۔ اتنے میں اُرملا دوڑی دوڑی آئی اس نے میرے ہاتھ سے چابک چھین لی۔

"جانتی ہو یہ کیا کر رہی تھی" میں نے اُرملا سے کہا۔

اُرملا مُسکرا کر بولی۔ "جانتی ہوں!"

"کیا جانتی ہو ؟" میں نے بپھر کر پُوچھا۔

"چمپا کلی کنور جی کے کمرہ میں جانے کی کوشش کر رہی تھی"

"اور یہ جان کر بھی تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے!"

"کیوں نہ ہو وہ تو اندر ہی نہیں ہیں"

"اندر نہیں ہیں۔ میری آواز میں شدید حیرت تھی اور مایوسی بھی"

"ہاں۔ انہوں نے آج صبح ناشتہ پر مجھے سب بتا دیا تھا وہ تو دوسرے
کمرہ میں سوئے ہیں"

اُرملا بولی۔ "یقین نہ ہو تو اندر جا کے اطمینان کر لیجئے"

"مگر کمرہ کے اندر جانے کی ضرورت نہ پڑی کنور جی خود ہی دوسرے کمرہ سے
نکل کر مسکراتے ہوئے ہماری طرف چلے آرہے تھے چمپا کلی کی طرف دیکھ کر بولے۔

"آپ نے اس پھول سے جسم کو ناحق تکلیف پہنچائی۔ رانی جی! یہ جسم کیا
چابک کھانے کے لائق ہے ؟"

"یہ کومل بدن تو گود میں اٹھانے کے لائق ہے چلو چمپا کلی ہمارے کمرہ میں چلو
آج ہم تمہارا بدن دبائیں گے"

"وہ کھلکھلا کر شوخی اور شرارت سے ہنس پڑے ان کا لہجہ ایک عجیب خفتہ سے طنز میں بجھا تھا۔ چمپا کلی محجوب ہو کر پازیب بجاتی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔"

"رات کے دو بجے ہیں۔"
آنکھوں میں نیند نہیں ہے چمپا کلی نیچے غالیچے پر سسک رہی ہے اور پوچھ رہی ہے ۔ "آپ نے مجھے کیوں مارا؟"
"میری مرضی" میں نے سختی سے اسے جواب دیا۔
وہ رو کر بولی "خود ہی پلان بنایا خود ہی فیل کر دیا۔"
"میری مرضی۔ تم پوچھنے والی کون ہوتی ہو؟"
"ہمارا بدن دکھتا ہے" اس نے شکایت کی!
"پھر میں کیا کروں؟"
"ہمیں اور چابک ماریئے۔ نہیں تو گلے سے لگا لیجئے۔"
"میں اسے گلے سے لگا لیتی ہوں اور اس کے ساتھ سسکنے لگتی ہوں۔ اب میں رانی نہیں رہی وہ میری باندی نہیں رہی اب ہم صرف دو عورتیں ہیں۔ میں اس کا منہ چومتی ہوں وہ مجھ سے پوچھتی ہے۔
"رانی جی۔ آپ نے کبھی پیار کیا ہے؟"
"تم نے کیا ہے؟"
"ہاں ہنسی سے کیا ہے۔"
"ہنسی کون ہے؟"
"ہمارے گاؤں میں ایک گڈریا ہے رانی جی۔ میں نے پہلی بار اس سے کہا؟

تھی - پہلا بوسہ اس کو دیا تھا - رانی جی میں اس کو بھولی نہیں ہوں وہی میرا مالک ہے۔"

"میں تجھے تیرے مالک کو سونپ دوں گی۔"

"اس کا سارا جسم کانپنے لگتا ہے - وہ دونوں بانہیں میرے گلے میں ڈال کر میرا منہ چومنے لگتی ہے اور میرے کان میں کہتی ہے۔

"رانی جی آپ نے کبھی پیار نہیں کیا ؟"

"نہیں۔"

"رانی جی آپ کو کسی نے پیار نہیں کیا ؟"

"نہیں۔"

"رانی جی کوئی آپ سے پیار کرے نہ کرے آپ ضرور کسی سے پیار کرلیں۔"

"میری چیخیں نکل جاتی ہیں۔"

"اچھا ہے میں آج عورت بن کے تمہارے سنگ رو لی چھپا کلی - کل تجھے تیرے گڈریئے کے گھر جہیز دے کر بھجوا دوں گی - پھر کوئی دیکھ نہ سکے گا - آنسوؤں کا یہ دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا۔"

" پھر وہ دن آگیا جس کا مجھے انتظار تھا - اس دن اُرملا اپنے فق چہرہ، کانپتے ہوئے ہونٹوں اور دھڑکتے ہوئے دل کو لے کر یکایک چائے کی میز سے اٹھ گئی تھی اور اس کے جانے کے بعد ہی کنور راج نے اُرملا کو مجھ سے مانگ لیا تھا۔"

" جہاں تم نے مجھے زندگی دی ہے وہاں اس زندگی کی خوشی بھی دے دو "

وہ بولا -

" میں نے تمہیں زندگی دی ہے ؟" میں نے حیران ہو کر پُوچھا !

" ہاں "۔ اس نے جواب دیا - اگر تم مجھے اس وقت جنگل سے اُٹھا کر نہ لاتیں جب میں چیتے سے لڑائی کرتا کرتا بے ہوش ہو گیا تھا تو اب تک میں کسی جنگلی جانور کا شکار بن گیا ہوتا - پھر جس تندہی سے تم نے میری یہاں دیکھ بھال کی ہے اُس احسان کا بدلہ میں اس طرح چکا سکتا ہوں کہ ایک احسان اپنے اوپر اور لاد لوں - زندگی کا سب سے بڑا احسان! کرو گی ؟"

" ضرور کروں گی " مجھے اپنی آواز بڑی عجیب اور جھوٹی سی لگی -

" تو مجھے اپنا بنا لو "

میں چونک گئی اور دل کے اندر کی کسی اندھیری گہری کھڈ میں پڑی ہوئی کسی اُمید

نے سر اُٹھا کے کنور راج کے چہرہ کی طرف دیکھا۔

"کیسے؟" بے اختیار میرے مُنہ سے نکلا اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"اُرملا کو مجھے دے کر"

ایک ٹھنڈی سانس میرے مُنہ سے نکلی میرے دونوں ہونٹ بند ہو گئے۔ دونوں آنکھیں بند ہو گئیں۔ گلا رکتا ہوا معلوم ہوا' دل تھمتا ہوا' ایسا لگا جیسے ابھی ہاتھ پاؤں سے جان نکل جائے گی۔ حالانکہ کب سے مجھے اس لمحہ کا انتظار تھا اور میرا خیال تھا کہ میں نے اس لمحہ کا سامنا کرنے کے لئے اچھی ریہرسل کر لی ہے۔ وہ سب بیکار گیا اب آنکھیں کیسے کھولوں اور ہونٹوں سے کیسے بولوں وہ سب جان لے گا مجھے جلدی اپنے آپ پر قابو پاکر' آنکھیں کھول ہونٹوں پر مسکراہٹ لاکر اُسے ہاں کہہ دینا چاہیئے۔ مگر لمحہ گذرتے گئے اور میں کچھ نہ کہہ سکی مجھے معلوم نہیں تھا۔ میری کمزوری ایسی شدید درجہ کی ہے کہ قدم جہاں کے تہاں جم جائیں گے۔ پگلی تو نے ایک لمحہ کے لئے بھی کیوں سوچا تھا کہ ایسا نہ ہوگا اور جیسے تو نے سوچا تھا ویسے ہوگا سب کچھ تیرے سامنے ہو رہا تھا اور پھر بھی تو نے دوسری طرح سے سوچ لیا۔ ہر بات' ہر ادا' ہر نگاہ' ہر تبسم' ہر لمس کے خلاف جا کر بھی تو نے یہ کیسے سوچ لیا کہ وہ تیرا ہو جائے گا۔ کبھی تیرے ہاتھوں کو اس کے ہاتھ نہیں ملے' کبھی تیرے ہونٹوں پر اس کے ہونٹوں کی چھایا نہیں پڑی۔ تیری کمر ہمیشہ اس کے لمس سے کنواری رہی پھر باؤلی تو نے کیسے ایک لمحہ کے لئے ہی یوں سوچ لیا۔ ہائے مگر وہ ایک لمحہ کیسے روشن تھا۔ جیسے سارے جسم میں چراغاں ہو گیا ہو اور میں اُس ادا' اُمید' تمنّا اور سہارے کی اس سہانی روشنی میں ایک پل کے لئے ٹھٹکتی کھڑی رہ گئی۔

پھر میں گھوم گئی اور قریب کے ایک ستون کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی اب میری پیٹھ اس کی طرف تھی اور میری پیٹھ اس لئے اس کی طرف تھی کہ کہیں وہ میرے آنسو نہ

دیکھ لے جواب بڑی بے شرمی اور بے حیائی سے میری آنکھوں سے نکل نکل کر میرے رخساروں پر بہہ رہے تھے چند لمحوں کے سکوت کے بعد مجھے ہولے سے اس کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور مجھے ایسا لگا جیسے وہ قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کا ایک ہاتھ ستون پر گیا اور بے دھیانی میں میرے ہاتھ کو چھونے لگا۔ چھوتے رہو دھیرے دھیرے اسی طرح میرے دل کے دروازے پر دستک دیتے رہو اسی طرح صدیاں گذر جائیں۔ یہ لمحہ جاوداں ہو جائے۔

مگر وہ پھر بول اٹھا۔

"رانی جی آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

اس کے لہجہ میں خفیف سی تلخی تھی۔

میں چُپ رہی۔

"کیا میں اس لائق نہیں ہوں؟"

میں پھر بھی کچھ بول نہ سکی۔

وہ میرے سامنے آگیا۔

"ارے!" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ "آپ تو رو رہی ہیں!"

میں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ "یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔ اس دن کا ہی تو مجھے انتظار تھا کب تم مجھ سے کچھ مانگو! —— میں وعدہ کرتی ہوں اُرملا تمہاری دُلہن بنے گی۔ چند لمحوں کے لئے اس کے ہاتھ کی انگلیاں میرے ہاتھوں کے اوپر رکیں۔ ایک لمحہ کے لئے اس نے میرا ہاتھ زور سے دبایا پھر وہاں سے الگ ہو کر وہ دوسری کھڑکی میں کھڑا ہو گیا میں کمرہ سے باہر چلی گئی اس کا چہرہ خوشی سے گلنار تھا۔"

"کنور راج کو گڑھی سے رخصت ہوئے مشکل سے پندرہ دن ہوئے ہوں گے کہ ان کی طرف سے ارملا کے لئے پیغام آگیا۔ وزیر مادھو رام خود پیغام لے کر آئے تھے، اور بڑے تزک و احتشام سے انہیں گڑھی کے خاص مہمان خانہ میں ٹھہرایا گیا تھا۔ صرف شام کی چائے پر میری اور ان کی ملاقات ہوئی تھی ارملا بھی موجود ہوتی تھی۔ وزیر مادھو رام روز میرا منہ تکتے تھے اور روز مایوس ہوتے تھے۔ کیونکہ میں ادھر ادھر کی سب باتیں کرتی تھی مگر اس معاملہ پر گفتگو نہ کرتی تھی۔

ارملا بے چاری تو آنکھ نہ ملا سکتی تھی مارے شرم کے اس کے رخسار شہابی ہو جاتے کبھی کسی اندرونی خوف سے اس قدر پیلے پڑ جاتے کہ اس کا چہرہ زرد گلاب کی مانند دکھائی دینے لگتا۔ وزیر مادھو رام کی آنکھوں میں ایک سوال تھا مگر ارملا تو خود مجسم سوال تھی اس کا ذہن اور اس کی روح مجھ سے بس ایک ہی جواب سننے کے منتظر تھے۔ مگر معاملہ ایسا نازک تھا کہ ارملا منہ سے خود کچھ بول نہ سکتی تھی اور وزیر مادھو رام بھی پیغام دینے کے بعد یہ بدتہذیبی نہیں کر سکتے تھے کہ مجھ سے فوراً جواب مانگیں اور میں نے بظاہر ریاست کے کاموں میں اپنے آپ کو اس قدر الجھائے رکھا تھا کہ گویا فرصت سے اس اہم مسئلے پر سوچ بچار کی گھڑی ہی نہ آئی تھی۔

"اسی طرح وزیر مادھورام کو ہماری گڑھی میں پڑے ہوئے دس روز گذر گئے۔ ہر روز اُرملا کی بے تابی میری خاموشی دیکھ کر بڑھتی جاتی تھی اور وہ یہ سمجھ بھی نہ سکتی تھی کہ پریشانی کیا ہے؟ ہاں کہہ دینے میں اب باقی کیا رکھا ہے؟ میں کیوں چُپ ہوں اور معاملہ کو لٹکا کیوں رہی ہوں؟ اس کی آنکھوں میں یہ سارے سوال تھے اور جب کبھی وہ چور نگاہوں سے مجھے دیکھتی تھی تو بہت سے مجرموں کی طرح یہ سوال ایک ساتھ اس کی آنکھوں سے جھانکتے دکھائی دیتے تھے۔

"پندرہ دن اسی خاموشی میں گذر گئے آخر جب مجھے معلوم ہوا کہ وزیر مادھورام جیسے گھاگ اور شاطر آدمی کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہونے کو ہے اور ہرگاؤں سے کنور راج جی کے اس سلسلے میں دو ریمائنڈر بھی آچکے ہیں تو میں نے پندرھویں دن شام کی چائے پر ان سے کہہ دیا۔

"مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ میں نے اچھی طرح سے غور کر لیا ہے اپنے مشیروں سے صلاح بھی کر لی ہے سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ اس رشتے سے ہرگاؤں اور رندگاؤں علاقوں کے آپس کے تعلقات بے حد خوشگوار ہو جائیں گے اس لئے ہر لحاظ سے مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔

"اُرملا کے چہرہ پر خوشی کی گلابیاں جھلکنے لگیں وزیر مادھورام کے چہرہ پر اطمینان کی ایک روشنی دوڑ گئی شکریہ کے اظہار میں وہ بار بار جُھک جُھک کر کورنش بجالاتا۔

"مگر ایک شرط ہے" میں بولی!

وزیر مادھورام کورنش بجاتے بجاتے رُک گئے۔ بولے "کیا ہے؟"

"میں نے کہا دیوان جی ـــــ میں نے شرط کا لفظ غلط استعمال کیا ہے۔ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی شرط نہیں ہوتی مگر یہاں دو ریاستوں کا معاملہ ہے اور آپ جانتے ہیں

دیول گاؤں کے معاملہ کو لے کر آپ کے تعلقے اور ہمارے تعلقے کے تعلقات میں کیسی کشیدگی آئی ہے۔ کتنے برس تک کیسی شدید تناتنی بھی رہی ہے۔ معاملہ ریذیڈنٹ بہادر کے ہاتھ سے نکل کر اوپر وائسرائے تک جا پہنچا ہے لاکھوں روپے ہم لگا چکے ہیں لاکھوں روپے آپ لگا چکے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس سنے اس شبھ کام سے پہلے اس تنازعہ کا فیصلہ بھی ہو جانا چاہیئے آپ برطانوی حکومت سے اپنا کیس واپس لے لیں۔ دیول گاؤں خود بخود ہمارا ہو جائے گا۔ کنور جی کو بس ایک خط لکھنا ہے۔ برطانوی سرکار کو۔ بس دو سطریں۔

"وزیر مادھورام حیرت سے میرا منہ تکنے لگا اُرملا کے چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اس کا سینہ اور زور سے ہل رہا تھا۔"

"کیوں" ـــــ میں نے پوچھا۔" ایک گاؤں کے اِدھر سے اُدھر ہونے میں کوئی ایسا بڑا نقصان ہو جاتا۔ یہ ایسی کونسی بڑی شرط تھی جس پر وزیر مادھورام حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگے۔"

"تم نہیں جانتے ڈاکٹر۔ تم اس علاقہ میں نئے نئے آئے ہو دیول گاؤں ہمارے علاقہ اور ہر گاؤں کے علاقہ اور آس پاس کے پچیس تیس تعلقوں میں سب سے بڑا دھرم استھان ہے جینیوں کا اس سے بڑا دھرم استھان کہیں نہیں ہے۔ ہر سال لاکھوں لوگ دُور دُور سے یہاں یاترا کو آتے ہیں اور کئی کروڑ کا چڑھاوا چڑھتا ہے۔ دیکھا جائے تو ہر گاؤں کے تعلقہ کی آدھی آمدنی دیول گاؤں کی وجہ سے ہے اور اگر ہر گاؤں سے دیول گاؤں کا ایک گاؤں چھین لیا جائے تو اس تعلقہ کی ساری شان گھٹ کے آدھی ہو جائے۔"

"مگر رانی جی۔ اس دیول گاؤں پر آپ کا کیا حق ہے؟"

"سچ پوچھو تو حق کوئی نہیں ہے مگر خوش قسمتی سے کہیئے یا بدقسمتی سے کہیئے

دیول گاؤں ہمارے علاقہ کی سرحد پر واقع ہے ۔ ہے تو ہر گاؤں کے علاقہ میں مگر چند سو گز زمین دیول گاؤں کی ہمارے حصہ میں بھی آتی ہے اس لئے ہمارے پتا جی نے اپنے وقت میں ریذیڈنٹ بہادر سے کہہ سن کے اس پر اپنا حق جتادیا اور معاملے کو کھینچ کھانچ کر پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ تک پہنچا دیا جہاں وہ اب تک چل رہا ہے اور دونوں ریاستوں کے وقار کا معاملہ بن چکا ہے ۔

" تو پھر آپ نے ایسی کڑی شرط کیوں رکھی ؟"

" کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ہر گاؤں تعلقہ کا کوئی مالک بھی دیول گاؤں کو ہمارے علاقہ میں دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا ۔ دیول گاؤں تو کنور راج کے تعلقہ کی جان ہے ۔

" مجھے معلوم تھا اور وزیر مادھورام کو معلوم تھا اور اُرملا کو معلوم تھا کہ میں نے کتنی بڑی شرط رکھ دی ہے جسے دوسری طرف والے کسی طرح قبول نہیں کر سکتے جیتے جی کون خودکشی کرے گا ۔ اسی لئے تو حیرت سے وزیر مادھورام اور اُرملا مجھے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے ۔

" وزیر مادھورام اٹھ کر جھکے ۔ جھک کر کورنش بجالائے ۔ بولے ۔۔۔ " میں آپ کی باتیں کنور جی تک پہنچا دونگا ۔ اب مجھے اجازت دیجئے ۔ مجھے اپنے تعلقہ سے آئے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں "

" اس رات کو جب میں کھانے کے کمرہ سے نکل کر اپنے شب خوابی کے کمرہ میں جانے لگی تو پیچھے سے آکر اُرملا نے میری ساڑھی کا پلو کھینچ لیا اور گھبرا کر بولی ۔

" یہ کیا کیا ۔ اتنی بڑی شرط لگادی ؟ جسے وہ کبھی منظور نہیں کر سکتے "

" تم تو کہتی تھیں کہ وہ دل و جان سے تمہیں چاہتے ہیں "

" ہاں وہ تو ٹھیک ہے ۔ مگر دیول گاؤں ۔۔۔۔۔۔ ؟"

"میری بہن کے سامنے ایک گاؤں کی حیثیت کیا ہے ؟"

"مگر وہ کوئی گاؤں تھوڑی ہے وہ تو کنور جی کی ریاست کا دل ہے"

"تو جب وہ دل تمہارے سپرد کر چکے تو ایک گاؤں دینے میں کیا حرج ہے ؟"

"اُرملا چپ چاپ میرے چہرہ کی طرف تکنے لگی "آپ چاہتی کیا ہیں ؟"

"میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں" میں نے اُرملا کے گال پیار سے تھپتھپا کر کہا۔

"وہ میری گڑیا سے کتنی محبت کرتے ہیں !"

"اُرملا لاجواب ہو گئی —— چُپ چاپ اپنے کمرہ میں چلی گئی اس کا چہرہ کمھلا گیا تھا۔ وہ تو بالکل پھُول کی طرح ہے اور پھُول کی طرح میں نے اُسے رکھا ہے۔ اور دل وجان سے چاہتی بھی ہوں اُسے۔ پندرہ دن تک میں اپنے دل کو سمجھاتی چلی آ رہی تھی اور میرا خیال تھا کہ آج جب میں وزیر مادھورام سے گفتگو کرنے گئی تو مجھے پوری اُمید تھی کہ میں نے اپنے دل کو خوب سمجھالیا ہے اور آج میں وزیر مادھورام کو ہاں بول دُونگی اور وہ غیر مشروط ہاں ہوگی۔ پھر اچانک جانے کیسے یہ شرط درمیان آگئی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

"دن پر دن گذرتے چلے گئے۔ اُرملا کی آنکھیں ہر وقت بھیگی سی رہنے لگیں اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے سے نظر آنے لگے۔ وہ اپنے آپ میں گُم رہنے لگی گرد و پیش سے بیگانہ، اُداس، معزول، ٹھنڈی سانسیں بھرنے والی اُرملا اکثر تُنگ کے اس پیڑ کے نیچے بیٹھی رہتی جو پائیں باغ میں ہے۔ اور جہاں چاندنی راتوں میں اور شفق کی گلزار تنہائیوں میں وہ دونوں اکیلے ٹہلا کرتے تھے۔ دس روز گذر گئے، بیس روز گذر گئے، ایک مہینہ گذر گیا، دوسرا مہینہ گذر گیا، تیسرا مہینہ گذر گیا۔ کنور راج کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اُرملا اب تیزی سے سانس لیتی تھی۔ اس کی آنکھوں اور رخساروں پر ایک غیر صحت مند چمک آ گئی تھی اور وہ کسی صورت میں مجھ سے

آنکھیں ملانے کو تیار نہ تھی مگر میرے لئے گھبرانے کی کوئی بات نہ تھی اُرملا یقیناً اُسے بھول جائے گی اسے بھی کنور راج کی طرح بھولنا ہوگا اپنے دل کو سخت کر لینا ہوگا کیونکہ ہم لوگوں کی شادیاں محبت کی شادیاں کہاں ہوتی ہیں۔ ہم لوگ دیول گاؤں کی طرح ہیں پُوجے جاتے ہیں اور جو پُوجے جاتے ہیں وہ محبت نہیں کر سکتے۔ اُرملا تمہیں بھی اپنی محبت کو خیرباد کہہ دینا ہوگا اور وہیں شادی کرنی ہوگی جہاں تمہاری بہن ہاں کرے گی۔

" پھر ایک دن جب میں اُرملا کے کمرہ میں بیٹھی اُسے اپنی نئی کویتا سُنا رہی تھی ایک خادمہ مجھے یہ بتانے کے لئے آئی کہ ہر گاؤں سے وزیر مادھو رام کوئی ضروری سندیسہ لے کر آئے ہیں۔

ارملا اس وقت اپنی سنگھار میز پر بیٹھی آنکھوں میں کاجل لگا رہی تھی اور آئینے میں مجھے دیکھ کر مجھ سے کویتا سُن رہی تھی۔ جس وقت خادمہ نے یہ خبر آکے دی۔ کاجل سے بھری سلائی اس کی آنکھ میں تھی۔ یکایک اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ چند لمحوں تک سلائی آنکھ میں دبائے سنگھار میز کے سامنے بیٹھی رہی پھر ہولے سے سلائی نکال کر اس نے جو میری طرف دیکھا تو مجھے اس کی آنکھیں بے حد بڑی بڑی روشن اور وسیع معلوم ہوئیں۔ اتنی وسیع جیسے ساری دنیا کا درد ان میں سما گیا ہو اور مزید درد کی انہیں تلاش ہو۔ کرب کی کیسی حسرت ناک خواہش ان آنکھوں میں تھی۔ میں اٹھ کر خادمہ کے ساتھ باہر آگئی۔ کویتا ابھی آدھی ہی سنائی تھی۔

" وزیر مادھو رام نے مجھے کنور راج کا خط دیا یہ پہلا خط تھا جو انہوں نے اپنے ہاتھ کا مجھے لکھا تھا۔ میرے لئے نہیں تھا مگر لکھا تو مجھے ہی تھا۔

" رانی جی!"

ایک دن میں نے آپ سے کہا تھا میں اُرملا کے لئے جان بھی دے سکتا

ہوں - تو کیا دیول گاؤں نہیں دے سکتا - لے لیجئے مگر اُرمِلا کو دے دیجئے -
کنور راج"

" دل دھک سے رہ گیا آنکھوں میں آنسو چُبھنے لگے - میرا سر خط پر اتنا جھک گیا کہ وزیر مادھو رام میرے آنسو نہ دیکھ سکے - میں روشنی کی کمی کا بہانہ کرتے ہوئے ایک کھڑکی کے پاس چلی گئی اب میری پیٹھ مادھو رام کی طرف تھی اور میری آنکھیں کھڑکی سے باہر ہمالیہ کی برفیلی چوٹیوں پر تھیں اور ان سفید بادلوں پر جو کنور راج کی طرح محبت کرنے کے لیئے اپنی جگہ سے نیچے اُتر آئے تھے ----- میں نے سوچا کنور راج اب تو میرے پاس انکار کرنے کو کچھ نہیں رہ گیا ہے اور یہ فیصلہ سب سے مشکل ہے ایک عورت کے لیئے کہ جس سے وہ محبت کرتی ہے اُسے خود ہی کسی دوسرے کے حوالہ کر دے -

" میں نے اپنے آنسو چھپا لئے - میری ایسی عورتوں کو بہت سے آنسو چھپانے پڑتے ہیں عورت کے لیئے رونا بہت آسان ہے قدرتی بھی ہے مگر زر گاؤں کی رانی کے آنسو کوئی کیسے دیکھ سکتا ہے ؟ جب سے تمہیں دیکھا ہے کنور راج آنسوؤں کی اک نہر سی اپنے سینے میں چھپائی ہے یہ نہر جو آنکھوں سے براہِ راست اندر ہی اندر دل کے کسی نہاں خانے میں اُتر جاتی ہے اور کسی کو نظر نہیں آتی ہے - تم کبھی میرے آنسو نہیں دیکھ سکو گے کنور راج ----- کوئی بھی نہیں دیکھے گا -

" میں نے یکایک کھڑکی سے مُڑ کر ایک چمکتی ہوئی شاداب مسکراہٹ اپنے چہرہ پر لا کر کہا --- وزیر مادھو رام سے کہا !

" ان سے کہہ دینا - مجھے دیول گاؤں نہیں چاہیئے - بس اب کچھ نہیں چاہیئے - اب وہ جلد سے جلد لگن کی تیاری کر لیں "

"چھ ماہ بعد لگن کا سمے آ گیا - ہمارے ہاں قاعدہ ہے کہ ہم بارات کو چار دن پہلے زرگاؤں کی گڑھی میں بلا لیتے ہیں - کیونکہ علاقہ پہاڑی ہے - یہاں کوئی موٹر روڈ نہیں ہے طویل سفر میں بہت تھکن ہو جاتی ہے - اس لئے ہم لگن سے چار روز پہلے بارات کو گڑھی میں مہمان ٹھہرا لیتے ہیں اور اب کے تو دو پڑوسیوں میں شادی تھی - اس لئے دونوں عملداریوں میں بہت دھوم دھام تھی دوسری ریاستوں اور تعلقوں سے بھی رشتہ دار اور دوست آ گئے تھے - بے حد گہما گہمی - لگن سے پہلے کے تین روز مہمانوں کی تواضع میں کتنی جلدی گذر گئے - پھر لگن کی رات آ گئی شادی کا منڈپ سج گیا - میں نے اُرملا سے کہا -

" آج میں تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے سجاؤں گی "

اُرملا خوشی سے مجھ سے لپٹ گئی -

"میں نے اس کی سب سہیلیوں کو اس کے کمرہ سے نکال دیا خود اپنے ہات سے اُسے دُولہن کا جوڑا پہنایا - اس کے بالوں میں پھُول لگائے بدن پر زیور سجائے - ایڑی سے چوٹی تک اس کا سنگھار کیا اس وقت وہ اتنی پیاری پدمنی کنچن کامنی سی لگ رہی تھی - کہ جب میں نے اُسے آئینہ دکھایا تو وہ اپنی سندرتا سے خود ہی شرما کر میرے سینے سے لگ گئی اور دھیرے دھیرے سسکیاں لینے لگی - بولی —— "مجھے ڈر لگتا ہے میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی "

"میں اسے بہلانے کی خاطر کمرہ سے نکال کر باہر پائیں باغ میں لے آئی۔ باغ میں چاند تھا انگوروں کے اودے خوشے تھے اور دور کے پھولوں کی خوشبو تھی وہ چھم چھم کرتی میرے ساتھ چلی سیدھی اُس تنگ کے پیڑ کی طرف جہاں ان دونوں نے اپنی محبت کی پینگیں بڑھائی تھیں —— جب ہم تنگ کے پیڑ کے نیچے پہنچے تو چاند اوپر پتّوں میں چھپ گیا۔"

"اُف یہاں کتنا اندھیرا ہے چاند نظر آتا ہی نہیں۔" وہ بولی۔

"اتنا کہہ کر وہ سنگ مرمر کے چبوترے پر چڑھ گئی اور ایڑیاں اٹھا اٹھا کر چاند کو دیکھنے لگی اور لڑکی کی طرح تالی سی بجا کر کہنے لگی۔

"آہا جی۔ میں نے چاند دیکھ لیا —— چاند دیکھ لیا۔"

"نیچے اُترو" میں نے اُسے ڈانٹ کر کہا "چبوترہ کی دیوار سے نیچے اُتر و۔"

"نہیں" وہ شریر لہجہ میں بولی "میں انگور کا وہ گچھا توڑوں گی۔"

"میرے سمجھانے پر بھی وہ نہیں مانی اور اسی وقت اُچک اُچک کے اودے انگوروں کا گچھا توڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ جو اس کے سر کے اوپر بہت اوپر لٹک رہا تھا جب اس کے ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچے تو وہ اچک اچک کر اسے توڑنے لگی۔ اس کوشش میں اس کی پیٹھ میری طرف ہو گئی اور اب کے وہ اتنا زور سے اُچھلی کہ گچھا اس کے ہاتھ میں آ گیا مگر اوپر سے نیچے آتے گچھے کو پکڑ کر خوشی سے چیخ مارتے ہوئے اس کا پاؤں جو چبوترے کی دیوار سے پھسلا تو نیچے ہزاروں فٹ گہری کھنڈ میں اس کا بدن گرتا چلا گیا۔

"ہائے وہ چیخ! —— میں کبھی اسے بھول نہیں سکتی —— وہ چیخ —— دور تک ایک بھیانک گونج کی طرح پہاڑوں کی پہنائی میں ڈوبتی چلی گئی پھر ایک لمحہ کا مکمل سکوت —— پھر بان گنگا کی شوریدہ لہروں کی گرج ساری فضا پر چھا

گئی ......

زرگاؤں کی رانی چپ تھی آنکھیں بند تھیں سر تکیہ سے لگا ہوا تھا۔ چہرہ پر کوئی جذبہ نہ تھا۔ ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ سینہ زور زور سے ہل رہا تھا۔

"مگر ــــــ" میں نے کہا ــــــ "میں نے پائیں باغ سے گذرتے ہوئے اس چبوترہ کو دیکھا تھا جو باغ کو کھڈ سے جدا کرتا ہے۔ وہ چبوترہ تو اتنا چوڑا ہے کہ ایک آدمی اس پر آسانی سے بستر لگا کر پاؤں پھیلا کر سو سکتا ہے۔ اس پر سے کسی کا پھسلنا بہت مشکل ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" ــــ زرگاؤں کی رانی اپنی آنکھیں کھول کر بولی ــــ "وہ گری نہیں تھی میں نے اُسے دھکا دیا تھا۔"

" پہلا سال سوگ کا گذر گیا۔ کنور راج بہادر سنگھ والئی ہرگاؤں نے مجھے شادی کا پیام دیا جو میں نے نامنظور کر دیا۔ دوسرے سال پھر اس نے پیام دیا میں نے پھر اسے نامنظور کر دیا۔ تیسرے سال اس نے پھر پیام بھیجا میں نے اُسے منظور کر لیا۔ لگن کی تاریخ طے ہو گئی لگن کا سمے آن پہنچا لگن ہو گیا دونوں ریاستیں ایک دوسرے میں ضم ہو گئیں دونوں ریاستوں کی پرجا کے لئے اس سے بڑا خوشی کا لمحہ ان کی زندگی میں کبھی نہ آیا تھا۔ اُرملا سے شادی کے وقت بھی دونوں ریاستوں کے خاندان تو ایک ہوئے مگر ریاستیں الگ الگ رہیں۔ میری اور کنور راج بہادر کی شادی سے دونوں عملداریاں ایک ہو رہی تھیں۔ ہماری جو اولاد ہوگی وہ اب درگاؤں اور ہرگاؤں دونوں تعلقوں پر حکومت کرے گی ——— رعایا کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

" وہ سہاگ رات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ وہ بڑی ٹھنڈی اور سنجیدہ لمحوں والی سہاگ رات تھی۔ میں دلہن کا لباس ضرور پہنے ہوئے تھی مگر اندر سے دلہن محسوس نہ کرتی تھی۔ وہ دولھا بن کر آئے تھے مگر کمرہ کے اندر آ کر میری مسہری کے قریب آنے کے بجائے دیوار سے لگے ہوئے صوفہ پر بیٹھ گئے تھے اور قریب کی

دیوار پر لگی ہوئی اُرملا کی تصویر دیکھنے لگے تھے۔

"یہ تصویر یہاں نہ ہونی چاہیئے" وہ بڑے سخت لہجہ میں بولے۔ ان کے چہرہ پر کسی طرح کی گھبراہٹ نہ تھی۔

"کیوں؟ ـــــ اُرملا میری بہن تھی میری چہیتی۔ میرے ماں باپ کی آخری نشانی۔"

"میرا مطلب ہے اس تصویر کو کہیں اور لگا لو۔ یہاں خوابگاہ میں نہیں" وہ کامل سکون سے بولے پھر اٹھ کر خود ہی تصویر کے قریب گئے ایک تپائی پر چڑھ کر انہوں نے تصویر اتار لی اور اُسے لے کر باہر کے ڈرائینگ روم میں جا کر اسے ٹانگ دیا۔ پھر اندر آکر صوفہ پر بیٹھ گئے اور جُوتا کھول کر جرابیں اتارتے اتارتے بولے۔

"ایک بات پُوچھوں؟"

"پُوچھو!"

تم اگر چاہتیں تو اس روز جنگل میں مجھے چیتے سے لڑنے سے بچا سکتی تھیں مگر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"میں دوسرے کے شکار میں دخل نہیں دیتی" میں نے دلہن کی مسہری پر لیٹے لیٹے جواب دیا۔

"اور اگر چیتا مجھ پر حاوی ہو جاتا تو ـــــ؟"

"تو میں اُسے ہلاک کر دیتی۔ مگر پھر زندگی بھر تم سے بات نہیں کرتی۔"

"وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے مگر وہیں صوفہ پر بیٹھے رہے۔ یہ میری مسہری پر کیوں نہیں آتے؟ ـــــ جرابوں سے کیوں کھیل رہے ہیں؟ میرے بدن میں یہ سرد سی لہر کیسے دوڑ رہی ہے۔ جیسے کوئی گلیشیر میرے دل کی ڈھلوان پر اُترتا

جا رہا ہو۔ میرا جسم سُن ہو رہا ہے سہاگ رات کیا ایسی ہی ٹھنڈی ہوتی ہے ؟

" جرابیں تہ کر کے انہوں نے جوتے میں رکھ دیں۔ پھر اُٹھے ۔ میں نے سمجھا میری مسہری کی طرف بڑھیں گے ۔ مگر نہیں وہ تو وہیں کھڑے ہو کر اپنی شیروانی اتارنے لگے ۔ شیروانی اتار کر پھر صوفہ پر بیٹھ گئے اور اپنی قمیض کے طلائی بٹن کھولتے ہوئے بولے ———

" میں نے ایک بار اُرملا سے کہا تھا تم بہت کمزور لڑکی ہو مگر تمہاری بہن بہت مضبوط ہے خوبصورت بھی ہے مگر مضبوط زیادہ ہے اتنی مضبوط کہ لگتا ہے کہ یہ عورت شاید عورت ہی نہیں ہے ۔"

" میں چند لمحے چُپ رہی خاموشی سے انہیں تاکتی رہی ۔ اب انہوں نے قمیض اتار دی تھی اور اب اپنے چوڑے چکلے سینے کے بالوں پر دھیرے دھیرے ہاتھ پھیر رہے تھے ۔ میں نے ڈانٹ کر کہا ۔

" ادھر آؤ ۔"

" وہ صوفہ سے اُٹھے اور میری مسہری کے قریب آکر کھڑے ہو گئے ہیں ——— اپنے دونوں بازو ان کے گلے میں حمائل کر کے انہیں اپنی طرف جھکاتے ہوئے بولی ۔

" ادھر آؤ کہ میں بتاؤں کہ میں عورت بھی ہو سکتی ہوں !"

ذرگاؤں کی رانی کا چہرہ اب نقاب نہ رہا تھا ۔ وہ ایک عورت کا چہرہ تھا جو سہاگ رات کی میٹھی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی وہ اک نرم و نازک محجوب شرمائی ہوئی یادوں کا چہرہ تھا ۔ عجیب چہرہ ہے ۔ جب چاہتا ہے اپنے اوپر مردانہ پن طاری کر لیتا ہے جب چاہتا ہے نسائیت کی نازک تفسیر بن جاتا ہے ایسا عجیب

غریب چہرہ تو میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ زرگاؤں کی رانی کے بڈھے چہرہ پر اس وقت شادمانی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

" میں چپ رہا۔ اس پُرمسرت لمحے کی یادوں میں خلل نہ ڈالنا چاہتا تھا۔ ممکن ہے یہی ایک لمحہ ہو اس عورت کی زندگی میں یہ لمحہ جتنا ہی طویل ہو جائے جتنا ہی کھنچ جائے اچھا ہے"

یکایک ان شادماں لہروں کی ریل پیل چہرہ سے غائب ہو گئی اب پھر وہ بڈھا چہرہ ایک نقاب تھا۔ اک عجب تاسف انگیز دردناک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی وہ دھیرے سے بولی۔

" ایسی رات تو پھر کبھی آئی نہیں میری زندگی میں ——— ایسا لگا جیسے میں نے وہ سب پالیا جسے میں نے کھو دیا تھا جس کی تمنا میں نے زندگی بھر کی تھی جس کے لئے میں نے اتنی بڑی قربانی دی تھی ایسا لگا جیسے وہ واقعی مجھ سے اور صرف مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں جیسے وہ اُرملا کو اب بھول گئے ہوں مجھے لگا اب ان کے ذہن پر ان کے دل و دماغ پر میں ہی چھا رہی ہوں۔

" رات کے تیسرے پہر میری آنکھ کھُل گئی مجھے ایسا لگا جیسے وہ بے خبر میری باہوں میں سو رہے ہیں۔ میں آنکھیں کھول کر غور سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ چادر ہٹا کر ان کا جسم دیکھنے لگی جہاں جہاں چیتوں کے پنجے کے نشان رہ گئے تھے۔ وہاں اپنی انگلیاں دھیرے دھیرے پھیرنے لگی۔ ایک نشان کندھے پر تھا ایک سینے پر ایک دل کے قریب ——— کاش میری انگلیاں مرہم بن جائیں اور ہر زخم کا نشان مٹا دیں۔

" یکایک وہ چونک کر جاگے اور اپنی پسلی کے زخم کے نشان پر میری انگلیاں چلتے ہوئے محسوس کرتے ہوتے بولے۔

"کیا میرے دل کے داغ ڈھونڈ رہی ہو؟"

"میں دھک سے رہ گئی۔ میرا گلا بھر آیا۔ جی چاہا انہیں دھکا دے کر اپنے سے الگ کر لوں اور بھاگ کر کسی دوسرے کمرہ میں جاکر چھپ کر روؤں مگر انہوں نے مجھے اپنی باہوں میں کس لیا تھا اور اس طرح پیار کر رہے تھے جیسے یہ فقرہ انہوں نے کسی گہری اہمیت سے نہیں کہا تھا۔ محض ایک سطحی چھچھلتی ہوئی حرکت سے ایسا کہا تھا۔ اتنا پیار کیا، اتنا پیار کیا کہ اس فقرہ کا سارا زہر نکل گیا۔ بس ایک ہلکی سی چبھن کہیں رہ گئی۔"

"چند دنوں کے بعد ہی ہم پوجا کے لئے دیول گاؤں گئے جہاں ہمارے علاقہ کے نو بیاہتا جوڑے شادی شدہ زندگی میں خیر و برکت حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں یہاں تین اونچے اونچے پہاڑی ٹیلے ہیں جن کے گرد برہمن ندی چکر کاٹتی ہوئی گھومتی ہے اس ندی نے ان تینوں ٹیلوں کو ایک خوبصورت جزیرے میں تبدیل کر دیا ہے مندروں تک پہنچنے کے لئے برہمن ندی کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ ہر ٹیلے پر دو دو مندر بنے ہوئے ہیں۔ خوبصورت مدوّر مندر سرخ پتھر کے بنے ہوئے ٹیلے کی چوٹی سے ابھرتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے کسی دولہن کے مہندی بھرے ہاتھ مصروف دعا ہوں۔

"برہمن ندی کو کئی جگہ سے پیدل چل کر عبور کیا جا سکتا ہے، کئی جگہ تیر کر بھی، مگر صرف ایک جگہ اس کا پاٹ اتنا بڑا ہے کہ اسے کشتی سے ہی عبور کیا جا سکتا ہے۔ یہاں

شاہی بجرے میں ہم سوار ہوئے اور بجرا دھیرے دھیرے دوسرے کنارے کی طرف مڑنے لگا - جہاں پہلے وہ مندروں میں جانے والی اونچی سیڑھیوں کا گھاٹ شروع ہوتا ہے -

ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا فضا میں اک عجیب سا سکون تھا دھیرے دھیرے بجرا بہہ رہا تھا اور اوپر مندروں سے آتی ہوئی چاندی کے گھنٹوں کی سُریلی صدا اور مندروں سے اوپر بادل لوبان کے دھوئیں کی طرح فضا میں اُلجھتے ہوئے اور عورتیں رنگارنگ ساڑھیوں میں ملبوس بچّے سنبھالتی ہوئی اونچی لمبی پہاڑی چٹانوں کو کاٹ کر بنائی گئی بلند سیڑھیوں پر دھیرے دھیرے اوپر جاتی ہوئیں - اوپر سے نیچے اترتی ہوئیں - انسان کی یہ کاوش جو آسمان کی طرف جاتی ہے اور وہاں سے کچھ لے کر واپس دھرتی کی طرف مڑتی ہے کیسی عجیب بات ہے یہ اس کا واپس دھرتی کی طرف مڑنا - جی چاہتا ہے کہ اگر ایک بار آسمان کی طرف جاؤں تو واپس نہ آؤں چھلانگ مار کر اور اوپر کہیں چلی جاؤں مگر ایسا ہو نہیں سکتا واپس دھرتی کی طرف آنا پڑتا ہے - کنور کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے اور ہاتھ بجلی کے تاروں کے آخری دوسرے ہوتے ہیں اور اب ہم دونوں کے درمیان بجلی کی ایک رَو چل پڑی ہے - مدھم مدھم اور سست رو - وولٹیج کی کمی ہے مگر رو چل رہی ہے - میں ان سے پُوچھتی ہوں -

" اچھا لگتا ہے "

" بہت اچھا "

" میں چُپ رہتی ہوں - اب وہ مجھ سے پُوچھتے ہیں "

" جب میں نے تمہیں دیول گاؤں دیا تھا - تم نے لیا کیوں نہیں ؟ "

میں نے ان کے شانے پر سر رکھ کے کہا - " اب تو میں نے اس سے بھی

بڑی چیز لے لی۔"

" ہاتے کی رَو اِکدم رُک سی گئی چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھر دھیرے دھیرے چلنے لگی۔ ایک دن اس بجلی کو میں تیز کرلوں گی وہ اسی رفتار سے دوڑے گی جس رفتار سے وہ میری ہتھیلی میں دوڑتی ہے۔"

" مَیں نے پُوچھا۔" بھلا اس ندی کو برہن کیوں کہتے ہیں ؟ عجیب سا نام ہے۔ برہن !"

" برہن۔ اِس لئے کہ یہ ندی کبھی مندر کے دوار پر نہیں پہنچ سکتی ہمیشہ نیچے قدموں میں جکڑ کھائی رہتی ہے" وہ کسی قدر اداسی سے بولے اور دور اوپر مندروں کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر یکایک پلٹ کر انہوں نے میرے چہرے کو اپنی ہتھیلیوں میں لے لیا اور غور سے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔

" تمہاری آنکھوں کے جنگل کتنے گھنیرے ہیں۔ کہیں سے اندر جانے کا راستہ نہیں ملتا۔"

" میں نے ان کے سینے سے لگ کے سسک کے کہا ۔۔۔" تم آؤ تو ..... اس جنگل میں صرف ایک آدمی کے آنے کا راستہ ہے اور اس کے لئے بھی صرف آنے کا راستہ ہے۔ باہر جانے کا نہیں ہے۔"

" وہ مسکرا دیئے۔ بولے !" بہت مضبوط ہو" بالکل چٹان ہو۔ تم پر تو ایک دیول بنانا چاہیئے۔"

" وہ تو بنا لیا میں نے اور ایک تاج کی طرح اپنے سر پر سی لیا۔ کیا وہ مندر تمہیں دکھائی نہیں دیتا ہے ؟"

" لاجواب ہو کر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور آگے چلے گئے اور بجرے کی ریلنگ سے لگ کر کھڑے ہو گئے اور نیچے برہن کے نیلے برفیلے خنک پانیوں میں دیکھنے

لگے میں پھر ان کے قریب چلی گئی اور ان کی طرح ریلنگ سے لگ کر نیچے دیکھنے لگی پھر مجھے کچھ خیال آیا میں نے اپنی چھنگلیا سے ہیرے کی ایک انگوٹھی نکالی اور اسے بجرے سے نیچے ندی میں گرا دیا۔

"یہ کیوں ؟"

"شادی شدہ زندگی کی خوشی کے لئے ...."

"وہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ بجرا گھاٹ سے لگنے لگا زائرین کا شور بڑھ گیا۔ روز کی طرح کی رونق تھی مگر خلافِ معمول کچھ نہ تھا ہم نے کہہ رکھا تھا کہ ہماری آمد کو مشتہر نہ کیا جائے ۔"

"ہولے ہولے عام جاتریوں کی طرح ہم پہاڑ کی سیڑھیاں چڑھنے لگے کبھی ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہوتا کبھی ان کا ہاتھ میری کمر میں اس طرح تو یہ سیڑھیاں اگر ساری عمر اوپر چڑھتی جائیں تو میں ساری عمر ان پر چل سکتی ہوں۔

"وہ میرے ساتھ ساتھ لگے لگے ـــ مجھے سہارا دے کر چل رہے تھے حالانکہ مجھے کسی سہارے کی ضرورت نہ تھی مگر مجھے ان کی ضرورت تو تھی اس لئے تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد میں بے سہارا سی ایسی ہو جاتی گویا ان کی مدد کے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی ہوں وہ رک جاتے اور ان کا ہاتھ مضبوطی سے میری کمر میں آجاتا۔ اے دیول تھوڑے سے اور اونچے ہو جاؤ کبھی نہ تم تک پہنچ سکیں ہم ...."

"یکایک ان کا ہاتھ میری کمر سے الگ ہو گیا بجلی کی رو کٹ گئی۔ میں نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا وہ مجھ سے الگ ہو کر کھڑے تھے اور اوپر دیکھ رہے تھے۔ بہت اوپر جہاں مندر کے اندر سے ایک عورت نکل رہی تھی ۔ سفید ساڑھی میں ملبوس پلّو سے اپنے سر کو ڈھانپے چہرہ کو چھپائے ایک ننا سا چال سے چلتی

ہوئی سیڑھیوں سے نیچے اُتر رہی تھی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ـــــ یہ اُرملا کیسے ہو سکتی ہے؟

"مگر وہی چال تھی وہی قد وہی بُت وہی رُخ کی تجلّی تھی جو اتنی دُور سے ہمیں دیکھنے کو ملتی تھی۔ مگر یہ اُرملا کیسے ہو سکتی ہے؟"

"میں تو وہیں جس سیڑھی پر کھڑی تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ مگر وہ جیسے کسی خواب کو اپنے قریب آتے نیچے اترتے دیکھ کر اس کی طرف مجھ سے بے خبر دُنیا و مافیہا سے بے خبر اس کی طرف جانے لگے۔ یہ بھی نہ دیکھتے ہوئے کہ ان کے قدم کہاں پڑ رہے ہیں اُوپر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ پاؤں سے نہیں اُس ایک نگاہ کی دُوری سے جو نیچے اترنے والی عورت کے نیم مستور رُخ پر تیر رہی تھی وہ اوپر ہی اُوپر چڑھتے گئے اور شاید اُن کے دل کی دھڑکن اور بے تابی کے ساتھ ساتھ اُن کے قدم بھی تیز ہوتے گئے۔"

" جب وہ اس عورت کے قریب پہنچے تو ہوا کے ایک تیز جھونکے سے یکایک اس عورت کے سر سے پلّو سرک گیا اور اس کا پورا چہرہ ان کی اور میری آنکھوں میں آگیا اور یکایک میں نے اطمینان کی ایک لمبی سانس بھری اور میرے اعصاب جو اب تک ان چند لمحوں میں ایک اذیت ناک کرب سے تڑپنے لگے تھے یکایک پھول کی طرح ہلکے ہو گئے۔ یہ چہرہ تو کسی دوسری عورت کا چہرہ تھا۔ وہ دور کی مشابہت اب ختم ہو چکی تھی یہ بھی کوئی ایک امیر اور رئیس عورت تھی۔ جو اپنی جوانی میں بے حد خوبصورت تھی یا رہی ہوگی۔ مگر اب تو یہ چہرہ ایک ادھیڑ عمر کی عورت کا چہرہ تھا۔ وہ میرے قریب سے آنکھیں جھکائے نگاہیں سیڑھیوں کے پتھروں پر جمائے نیچے اُتر گئی ـــــ اور میں اوپر چڑھنے لگی اوپر چڑھتے چڑھتے تیز تیز قدموں سے میں نے کنور جی کو جا لیا اور جاتے ہی ان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ

لیا۔

انہوں نے مجھ سے آنکھیں چرا کر اُوپر مندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا — "چند لمحوں کے لئے میں حیران رہ گیا اس عورت کو دیکھ کر — چاچی جی یہاں کیسے آگئیں وہ تو دِلّی میں ہیں اور بیمار ہیں ...... چاچی جی ......" وہ مُنہ ہی مُنہ میں بڑبڑانے لگے۔ میں چُپ رہی۔

دیول گاؤں سے واپس آکر ہم لوگ ہنی مون منانے کے لئے نینی تال چلے گئے حالانکہ ہمارے علاقہ میں بھی کئی پُر فضا پہاڑی مقام ہیں مگر میں اِن جانے پہچانے علاقوں سے کہیں دور جانا چاہتی تھی جہاں کی فضا ہم دونوں کے لئے اجنبی ہو جہاں کے ماحول میں ان کو اُرملا کی یاد نہ ستائے یا اس قدر تو نہ ستائے جس قدر یہاں اس کی یادوں میں رچے بسے ماحول میں ستاتی ہے۔

چائنا پیک کی طرف جاتے ہوئے دیوداروں سے گھرے ہوئے راجہ صاحب پام پور کا ایک کاٹج نما محل ہمیں رہنے کو مل گیا جس کے چھتے ہوئے برآمدے کی چوبی محرابوں سے لپٹی ہوئی بیلوں میں زرد گلاب کھلے ہوئے تھے جہاں صبح بیٹھ کر ہم ناشتہ کرتے تھے جہاں سے نیچے نینی تال کی خوبصورت وادی کا سارا منظر دکھائی دیتا تھا چاروں طرف سے مدوّر گھاٹیوں سے نیچے اُتر کر ایک چھوٹی سی جھیل کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا اور سر بفلک گھاٹیوں کے سرسبز جنگلوں میں خوش نما کوٹھیاں شریر بچوں کی طرح اِدھر اُدھر چھپی ہوئی تھیں۔ کبھی بادل لہرا کر جو نیچے اُتر آتے تو زمین ہماری نگاہوں سے کٹ جاتی اور ایسا لگتا جیسے ہماری کاٹج ہوا کے دوش پر یا الف لیلیٰ کے کسی جِنّ کی ہتھیلی پر اُڑ رہی ہے اور عجیب عجیب سی

کویتائیں میرے دماغ میں آنے لگتیں۔

"یہ کہتے مجھے حیرت ہوتی ہے تمہارے ایسے چٹان کی طرح مضبوط عورت شاعری کیسے کرلیتی ہے۔"

"میں کہتی ——— مگر چٹان میں دراڑیں بھی تو ہوتی ہیں جہاں سبزہ اُگتا ہے۔ رات کو اطلسی صوفوں والے ڈرائینگ روم میں سونے سے پہلے وہ مجھ سے میری کویتا سنا کرتے تھے۔ ڈرائینگ روم کی بتیاں گل کر دی جاتیں صرف نیلے بلور کا ایک چھوٹا سا فانوس میرے سر کے اوپر روشن رہتا اس کی ہلکی ہلکی نیلی روشنی چھن کر میرے لباس پر پڑتی رہتی اور میری کویتا کے کاغذ پر اور میں کویتا میں کھوئی ہوئی انہیں سناتی رہتی اور وہ میرے بائیں طرف میرے صوفہ سے ہٹ کر اپنی کرسی کو ذرا پرے کھسکا کر اس طرح بیٹھتے تھے جہاں سے میں انہیں نہیں دیکھ سکتی تھی صرف وہ مجھے دیکھ سکتے تھے اور وہ بھی میرا دایاں رُخ اور رُخ کا ہی ایک حصہ یعنی کالے بالوں کی لہراتی ہوئی ایک زُلف اور کان کی ایک لو زُلف میں گرہ گیر اور دائیں رخساروں کا ایک حصہ........ بس اتنا ہی انہیں نظر آتا تھا اور مجھے جب دیکھنا ہوتا تو پلٹ کر میں انہیں دیکھ سکتی تھی۔"

"کویتا سننے کا یہ کیا طریقہ ہے؟" میں ان سے کہتی۔ "سامنے آکے بیٹھو!"

"سامنے آکے بیٹھوں گا تو چہرے میں کھو جاؤں گا۔" وہ مسکرا کر کہتے "مجھے یہیں سے سننا اچھا لگتا ہے آواز بھی صاف آتی ہے اور یہ نیلی روشنی جو چھن کر تمہارے لباس پر اترتی ہے اس سے تم آسمان کی پری معلوم ہوتی ہو۔"

"ایسی تعریف تو انہوں نے کبھی نہیں کی تھی اور یہ اوپری تعریف بھی نہ تھی آواز میں گہری شدت تھی اور ایک غم آشنا خلوص جو مجھے چھوئے بغیر نہ رہا۔

"اب میں ہر روز اسی طرح بیٹھتی تھی جہاں مجھے بیٹھنے کے لئے کہتے تھے اور
وہی کویتائیں سناتی تھی جو انہیں پسند تھیں۔ وہ اس جگہ بیٹھتے تھے جو انہیں اس
درجہ پسند تھی۔ کویتا سنتے سنتے وہ کھوئے ہوئے انداز میں پیچھے سے چل کر میرے
قریب آ جاتے مجھے بے اختیار اپنے صوفے سے اٹھا کر اپنی باہوں میں سمیٹ لیتے
اور خواب گاہ کی طرف چلنے لگتے اس وقت میں ان کے سینے کی پُر شور دھڑکن صاف
سن سکتی تھی میری کویتا جیسے ان پر جادو کر دیتی تھی اور وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ
جاتے تھے اور مجھے سینے سے لگائے بہت بہت پیار کرتے تھے۔ میں مدہوش سی
ہو جاتی تھی۔"

"میں کویتا سناتے سناتے مڑ کر انہیں دیکھتی تھی کیونکہ انہوں نے منع کر رکھا تھا
بیچ بیچ میں وہ خود جگہ جگہ داد دیتے جاتے تھے۔ جیسے مجھے آسرا دے رہے ہوں۔
تم پڑھو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اپنی کویتا کے سہارے چلو میں تمہارے
ساتھ ہوں اور اُن کی وہ بھاری مردانہ آواز جیسے میری آواز کی کمر میں ہاتھ دے
کر اسے اُوپر کویتا کی سیڑھیوں پر چڑھا رہی ہو۔"

"مگر ایک دن ایسا لگا جیسے وہ بہت عرصہ سے خاموش ہیں۔ میری کویتا بھی
طویل تھی میں نے محسوس کیا جیسے وہ ہنکارا انہیں دے رہے ہیں ان کی طویل خاموشی
سے پریشان ہو کر مجھے خیال ہوا شاید وہ کویتا سنتے سنتے سو گئے ہیں یا بور ہو رہے
ہیں۔ میں نے ذرا سا پلٹ کر جو انہیں دیکھا تو وہ وہیں بیٹھے تھے اُسی صوفہ پر اُسی
انداز میں آنکھیں کھلیں مگر میرے رُخ میں ڈوبی ہوئی' کھوئی ہوئیں ان کا پُورا وجُود
اس وقت میری آواز کی دسترس سے بہت دور کہیں جا چکا تھا۔"

"میں نے جلدی سے اپنا پورا چہرہ ان کی طرف پلٹ دیا اور کچھ کہنے
ہی والی تھی کہ ان کی جامد و ساکت بڑی ڈوبی پتلیوں میں ہل چل سی پیدا ہوئی۔

یکایک وہ کھوئی ہوئی وہ زیر آب خوابوں میں کسی کو تلاش کرنے والی نگاہیں اُبھر کر سطح پر آگئیں۔ وہ چونک گئے اور حیرت سے اس طرح میری طرف دیکھنے لگے۔ جیسے اپنے سامنے کسی اجنبی کو دیکھ رہے ہوں ۔۔۔ پہلی بار !

"کہاں تھے ؟" ـــــ میں نے کسی قدر تلخی سے کہا ـــــ "کو تیا نہیں سن رہے ہو !"

"ڈارلنگ ـــــ" وہ اپنی پُرکشش مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے بولے۔ "میں تمہیں دیکھ رہا تھا ـــــ تمہارا یہ رُخ مجھے بہت پسند ہے ـــــ بہت ہی پسند ہے ......"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر مجھے چُومنے لگے۔

ایک روز میں نے ایک تجربہ کیا اس روز میں کاٹج میں اکیلی تھی۔ وہ نیچے بوٹ کلب میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے کسی انگریز افسر سے ملنے چلے گئے تھے۔ بادل گھر کر آئے تھے چاروں طرف ایک بھورا سا اندھیرا چھا رہا تھا اس وقت یکایک مجھے ایک خیال آیا میں نے ڈرائینگ روم میں گھس کر ساری کھڑکیاں بند کر دیں سارے پردے گرا دیئے اور جب ڈرائینگ روم میں تقریباً رات کا سا سماں ہو گیا تو اپنے سر کے اُوپر صوفہ کے پیچھے وہی نیلے کانچ والا فانوس روشن کیا پھر میں نے اپنی پُرانی بُوڑھی کھلائی امن چین کو ڈرائینگ روم میں بُلایا اور اُسے اسی جگہ اسی زاویئے پر اسی کرسی پر بٹھایا جہاں کو تیا سنتے وقت کنور جی بیٹھتے تھے۔ امن چین سُن لے کان کھول کے دھیان دے کے میری بات سُن ۔ میں وہاں بیٹھتی ہوں اس صوفہ پر تجھ سے تقریباً پیٹھ کر کے اور کو تیا پڑھتی ہوں اور تو یہاں بیٹھ کے مجھے دیکھ اور مجھے

بتا کہ کیا میں واقعی اس جگہ سے بہت سندر دِکھائی پڑتی ہوں!

" امن جیین کو میری عجیب و غریب خواہش پر بڑا تعجب ہوا اس نے مُنہ ہی مُنہ میں بڑبڑاتے ہوئے کہا" آپ تو ہر طرح سے سندر لگتی ہیں رانی جی"۔ میں نے کہا "امن جیین بک بک نہ کر بس دہیں بیٹھ جا جہاں میں تمہیں بٹھاتی ہوں اور میں اس صوفہ پر بیٹھ کر کویتا پڑھتی ہوں اور تیری طرف اتنی پیٹھ کر کے بیٹھوں گی کہ تجھے یہ زلف اور یہ کان کی لو اور چہرہ کا بس اتنا ہی حصّہ دائیں طرف سے نظر آئے گا۔ پھر جب میں کویتا پڑھنے لگوں گی تو دیکھ کر بتائیو!"

" امن جیین کنور جی کی جگہ بیٹھ گئی اُسی زاویئے سے۔ میں اپنے صوفہ پر بیٹھی میں نے اپنے سر کے اوپر نیلے بلور والے فانوس کو صحیح جگہ پر رکھا اور کاغذات ہاتھ میں لے کے اپنے زاویئے پر بیٹھ گئی اور اس سے پُوچھا۔

" امن جیین میں ٹھیک بیٹھی ہوں کیا؟"

" نہیں" امن جیین بولی! "تھوڑا سا اُدھر گھوم جاؤ بیٹیا!"

" اب؟"

" تھوڑا اور!"

" اب؟"

" ہاں بس اب ٹھیک ہے"

" میں نے کاغذ کھول کر سر کو تھوڑا سا جھکا کر بالکل اُسی زاویئے میں کویتا پڑھنی شروع کی جس زاویئے میں کنور جی مجھے دیکھنے کے عادی تھے"

" یکایک امن جیین نے "ہائے" کہہ کر دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیئے۔ میں تیزی سے پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "کیا بات ہے؟" میں نے پُوچھا۔

"ہائے" بالکل اُرملا لگتی ہو ! امن چین ہانپتی ہوئی بولی !

" اس رات میں نے کنور جی کو کو بتا نہیں سنائی۔ کھانے کی میز سے اٹھتے ہی میں نے سر درد کا بہانہ کر لیا اور جا کے سیدھے اپنے بستر پر پڑ گئی۔ کنور جی کافی روم سے کافی پی کر آئے انہوں نے مجھے اپنی باہنوں میں لینا چاہا مگر میں نے انکار کر دیا اور لحاف اچھی طرح اپنے چاروں طرف لپیٹ کر پڑ گئی۔

" کنور جی کچھ دیر تلک تو جاگتے رہے کروٹ بدلتے رہے لیمپ جلا کر رنگین تصویروں والے رسالے دیکھتے رہے پھر بتّی بجھا کر سو گئے"

"کمرہ میں اندھیرا چھا گیا آج ہوا تیز تھی بادل کی گرج بھی تھی اور کبھی کبھی دریچوں پر پڑنے والی تیز بارش کی بوچھاڑ یوں لگتی جیسے کوئی میرے رخسار پر تڑا تڑ طمانچے مار رہا ہو"

" اب مجھے کیا معلوم تھا کہ اُرملا کو مار کر بھی میں خود اپنے اندر اُرملا کو زندہ رکھوں گی وہ خود میری مرضی کے خلاف میری ہی ہستی میں کہیں نہ کہیں چھپ کر زندہ رہے گی کبھی میرے رُخ کے کسی زاویئے میں کبھی میری چال کی کسی ادا میں کبھی میری آواز کے کسی سُر میں ــــ یعنی کوئی مجھ میں کسی اور کو دیکھے گا اور میری آواز کو سُن کر کسی دوسری آواز کو یاد کرے گا اور مجھے اپنی باہنوں میں لے کر کسی اور سے پیار کرے گا ؟ ایسے خوفناک جنم کا تو میں نے کبھی تصوّر ہی نہیں کیا تھا۔ میں نے سمجھا تھا میں نے دیول گاؤں کو پا لیا آج معلوم ہوا کہ دیول مجھ سے آج بھی اتنی ہی دور ہے جتنا پہلے دن تھا اور میری حالت تو اس برہمن ندی کی سی ہے جو دیول سے بہت دور اس کے قدموں کے گرد چکر کاٹتی ہے اور سر پٹک کر وہیں رہ جاتی ہے۔ اچھا اگر یوں ہے تو یونہی سہی کنور راج تم میری باہنوں میں عاشق کی طرح نہیں آؤ گے تو میں تمہیں ان باہنوں میں قیدی بنا کے رکھوں گی مگر تم میرے جیتے جی

میری باہوں کے حصار سے کبھی آزاد نہ ہو گے - میرا ابھی یہی فیصلہ ہے
ایک دن قیدی بھی جیل کی دیواروں سے مانوس ہو جاتا ہے - ایک دن تم بھی
مجھ سے مانوس ہو جاؤ گے اور جب تمہیں میری عادت پڑ جائے گی تو شاید
محبت بھی ہو جائے گی - کنور راج میں بہت مضبوط عورت ہوں جو طمانچے
تم میرے رخسار پر مار رہے ہو ان کے باوجود میں روؤں گی نہیں - کنور راج میں
تمہیں جیت کے رہوں گی - "

اتنا کہہ کر رانی جی چپ ہو گئیں کمرہ میں ایک طویل سناٹا چھا گیا -

میں نے پوچھا "مگر کیا ایک بار بھی انہیں شک نہیں گذرا آپ پر . . . . .
اُرملا کے سلسلے میں . . . . . ." میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے فقرہ ناتمام چھوڑ دیا۔

"نہیں" ـــــ رانی جی نے جواب دیا "میں خود اس سلسلے میں جاننے کے لئے
بہت بے چین رہتی تھی اور شروع کے کئی ماہ بلکہ کئی سال میرے دل میں یہ شبہ گذرتا
رہا جیسے انہیں معلوم ہے، جیسے وہ کچھ جانتے ہیں مگر نہیں۔ میرا واہمہ غلط تھا
انہیں مطلق کچھ معلوم نہ تھا کوئی شبہ نہ تھا کبھی کسی خفیف سی حرکت سے
انہوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ انہیں میرے بارے میں کسی طرح کا شبہ ہے ـــــ ہاں
اگر شادی سے پہلے میں نے کبھی ان سے اظہارِ محبت کیا ہوتا میرے اور ان کے
درمیان کوئی ایک ایسی نگاہ بھی گذری ہوتی جس میں ہم دونوں کی وہ قربت شامل ہوتی
جو ایک دوسرے کو محبت کے قریب لے جاتی ہے تو ممکن ہے ان کے دل میں شبہ
کا شائبہ سا گذرتا۔ مگر یہاں شبہ کرنے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔"

"اور دُنیا ـــــ ؟" میں نے پُوچھا!

"دنیا بھی کیسے شبہ کر سکتی تھی میں بڑی بہن تھی راج پاٹ کی جائز حقدار وہ میری

چھوٹی بہن تھی قاعدے سے اسے میرے خلاف سازش کرنی چاہیئے تھی اس لئے دنیا کی نظر میں میں قطعاً معصوم تھی پھر میں اسے کس قدر چاہتی تھی۔ یہ بھی دنیا جانتی تھی۔ کس طرح وہ میرے رستے میں حایل تھی۔ اس کا دنیا کو کیا خود اُرملا کو کوئی اندازہ نہ تھا اور اُسے اپنے راستے سے ہٹا دینے کا میں نے کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا اُسے دھکا دینے سے پہلے میں خود نہیں جانتی تھی کہ میں ایسا کروں گی۔ وہ تو ایک لمحہ کی اضطراری حرکت تھی۔

"ہم چھ مہینے ہرگاؤں میں رہتے تھے چھ مہینے ذرگاؤں میں مگر ہم کہیں بھی ہوں اُرملا کی برسی منانے کے لئے ہم ضرور زرگاؤں کی گڑھی میں آجاتے اور تنگ کے اسی پُرانے پیڑ کے نیچے چند گھنٹے اس کی یاد میں صرف کرتے۔"

"کچھ عجیب سا نہیں لگتا تھا؟" میں نے پُوچھا۔

"شروع شروع میں لگتا تھا۔ ڈرتی تھی اپنی کسی حرکت سے راز افشا نہ کر دوں مگر میں آہنی ارادہ والی عورت ہوں میں نہ جھک سکتی ہوں نہ ٹوٹ سکتی ہوں مجھے اپنی طبیعت پر مکمل قابو ہے اور ہر سال میں چند گھنٹے ہی تو ہوتے تھے ورنہ ہم دونوں اس پائیں باغ میں جانے سے احتراز کرتے تھے۔"

"اُرملا آپ کو کبھی خواب میں آئی؟"

"نہیں۔ آج تک نہیں آئی۔" رانی جی قطعیت سے بولیں۔ "مجھے خواب

نہیں آتے۔"

"عجیب بات ہے۔"

"ہاں ہے تو عجیب"۔ وہ بولی۔"مگر سچ تو یہی کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کوئی خواب نہیں دیکھا —— صاف گہری نیند آتی ہے۔"

"رات کی تاریکی میں اس کے سُونے اور اکیلے پن میں آپ نے کبھی یوں محسوس نہیں کیا۔ جیسے اژدھا آپ کے پیچھے کھڑی ہے گہری گہری سانس لے رہی ہے۔ یا تاریکی میں اپنی جلتی ہوئی آنکھوں سے آپ کو گھُور رہی ہے۔"

اس نے آہستہ سے انکار میں سر ہلا دیا اور دھیرے سے مسکرا کر کہنے لگی ——

"ڈاکٹر گھوش۔ میں وہی عورت نہیں ہوں۔ مجھے خواب نہیں آتے ہیں تاریکی سے نہیں ڈرتی میں رات رات بھر اکیلی جنگل میں مچان پر رہ سکتی ہوں میرے ہاتھ کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ میرا دل بہت مضبوط ہے۔"

میں چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا اس کی گہری سبز آنکھیں کسی پُراسرار سمندر کی طرح اتھاہ تھیں جوانی میں یہ عورت بے حد خطرناک اور خوبصورت رہی ہوگی ان آنکھوں میں آدمی ڈوب سکتا ہے۔

میں نے کہا۔"اگر اجازت ہو تو ایک سگار سلگا لوں میں اتنی دیر سگار کے بغیر نہیں بیٹھ سکتا۔"

میں سگار سلگانے کے بعد ہمہ تن گوش ہوگیا وہ میرے چہرہ کی الجھن کو دیکھ کر بولی ——

"سننے سے پہلے کچھ پُوچھنا چاہتے ہو شاید۔"

میں نے سگار کے دو تین کش جلدی جلدی سے لئے اور آنکھیں ایش ٹرے میں جھکا کر بولا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے کوئی عجیب بات نہیں ہوئی۔ کبھی تو کچھ

ضرور ہوا ہوگا ۔ قتل ذاتی ہو یا میدانِ جنگ میں ہمیشہ کہیں نہ کہیں اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے اور چھوڑتا رہتا ہے اور اپنی ہستی کا ثبوت دیتا رہتا ہے ۔ ہر قتل کی اپنی ایک زندہ اور متحرک ہستی ہوتی ہے قاتل اور مقتول سے الگ اس کی اپنی ایک شخصیت ہوتی ہے قتل ہمیشہ بولتا ہے اور اسے کبھی موت کے گھاٹ نہیں اتارا جا سکتا قاتل اور مقتول کے مرنے کے بعد بھی قتل زندہ رہتا ہے وہ جگہ بولتی ہے جہاں قتل ہوا تھا ۔ وہ ہوا کراہتی ہے جس کی فضا میں کسی کا گلا گھونٹا گیا تھا ۔ لہو دھو دینے کے بعد بھی خنجر کی زبان ہانپتی ہے ۔

" تم کیسی خوفناک باتیں کرتے ہو ڈاکٹر "

وہ رُک رُک کر بولی ۔ میں نے دیکھا اس کا چہرہ بالکل پیلا پڑ گیا تھا تقریباً سفید ہو چلا تھا گلے کی رگیں کھنچ آئی تھیں میں چُپ رہا ۔ پھر میرے دیکھتے دیکھتے ہی اس نے اپنی طبیعت پر کنٹرول کر لیا واقعی غضب کی آہنی ارادے والی عورت تھی میں دیکھ سکتا تھا اُسے اپنے آپ پر قابو پانے کے لئے کتنی جانکاہ کاوش کرنی پڑ رہی تھی میں اسے توڑ دینا چاہتا تھا مگر وہ ٹوٹی نہیں ۔ ایک قلیل عرصہ میں ہی اس کا چہرہ نارمل دکھائی دینے لگا ۔ اس کی آواز بھی اصلی حالت میں واپس آگئی وہ کہنے لگی ۔

" بیس برس کی شادی شدہ زندگی ایک عمر ہوتی ہے ڈاکٹر گھوش —— یہ بیس برس ہمارے بہت خوش و خرم گذرے کبھی کوئی ناگوار بات ایک دوسرے سے نہیں ہوئی ۔ میں وہ والہانہ محبت تو نہیں حاصل کر سکتی تھی جو انہوں نے اُرملا کو دی تھی ۔ ہاں مگر پھر بھی ایک گہری سمجھ ، قربت ، رفاقت اور جسم کی دلدار محبت بہت کچھ دیا انہوں نے ، بیس برس ہم لوگ ساتھ رہے بیس برس بہت گھومے یورپ گھومے ، دنیا گھومے ۔ عزت ، دولت ، شہرت ، حکومت سب کچھ ہمارے پاس

تھا۔ کبھی کسی چیز کی کمی نہیں رہی ہوتے ہوئے بھی میں بھول گئی کہ اُرملا نام کی میری کوئی
بہن بھی تھی ہوتے ہوتے وہ بھی شاید بھول گئے ہوں گے ایسا ان کے برتاؤ سے
ہمیشہ میں نے سمجھا —— مگر ان بیس برسوں میں ایک عجیب بات ضرور ہوئی۔
ان بیس سالوں میں میرے پانچ بچے ہوئے اور پانچوں کے پانچوں مر گئے۔

میں نے چونک کر رانی جی کی طرف دیکھا مگر اس عورت کا چہرہ اس وقت
ایک مکمل نقاب تھا۔ بہترین اداکارہ ہے۔ یہ عورت میں نے اپنے دل میں سوچا
اور یہ سوچ کر میرے دل میں ایک سرد جھرجھری سی دوڑ گئی۔

"کیا پانچوں لڑکے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ پہلے چار لڑکے ہوئے پانچویں لڑکی تھی لڑکے تو دو دو تین تین سال
کے ہو جاتے تھے مگر لڑکی تو ڈیڑھ برس کی ہو کے مر گئی اس کی شکل ہو بہو اُرملا سے
ملتی تھی۔"

میں نے پھر چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر وہاں پھر کچھ نہ تھا محض ایک
نقاب تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"کنور جی اُسے بہت چاہتے تھے ہر وقت اُسے اٹھائے پھرتے۔ جب
چھ ماہ کی ہو گئی تو ہر روز اپنے ساتھ بستر پر سُلاتے تھے اپنے ہاتھ سے اُسے نہلاتے
دُھلاتے کپڑے پہناتے کھانا کھلاتے کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتے
وہ دنیا کو بھُول گئے اپنے آپ کو بھُول گئے اپنے کام بھول گئے مجھے بھُول گئے۔
ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس بچّی کے لئے ساری دنیا کو تیاگ دیں گے مجھے اس بچّی سے
نفرت ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُرملا نے مجھے جلانے کے لئے میری ہی کوکھ سے
جنم لیا ہے۔"

"کیا آپ اس سے محبّت نہیں کرتی تھیں؟"

یہی تو مصیبت تھی۔ میں خود ہی اس بچّی کو وہ محبت نہ دے سکی جو اس سے پہلے پیدا ہونے والے چار بچّوں کو میں نے دی تھی۔ ممکن ہے دیتی اگر اس کی صورت اُرملا سے اس قدر مشابہ نہ ہوتی مگر جُوں جُوں میری بچّی کی شکل نکھرتی جا رہی تھی۔ میں اس سے خائف ہوتی جا رہی تھی۔ گو کنورجی کے سامنے یا دنیا کے سامنے میں نے کبھی اپنے خوف کا مظاہرہ نہیں کیا تھا مگر اس بچّی کو دیکھ کر ہر لحظہ خائف رہنے لگا تھا کہ ابھی کوئی بُری بات ہونے والی ہے۔ ابھی کوئی بُری بات ہونے والی ہے۔ ہر وقت دل دھک دھک کرتا رہتا۔

"وہ بڑی عجیب و غریب بچّی تھی ایک بار میں پُرانی تصویروں کا البم کھولے دیکھ رہی تھی کہ وہ بھی گھسٹتے گھسٹتے میرے قریب آگئی اور تصویریں دیکھنے لگی اتفاقاً سامنے اُرملا کی تصویر آگئی میں نے جلدی سے تصویر کو پلٹنا چاہا مگر اس نے ہاتھ رکھ دیا اور توتلے لہجہ میں بولی کیونکہ اب وہ ڈیڑھ سال کی ہو چکی تھی اور تھوڑا تھوڑا بولنے لگی تھی تصویر پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے پوچھنے لگی ——

"کون ؟ —— کون ؟"

"میں نے کہا میری بہن ..... بہن ......"

"ایں ؟ —— ایں ؟" وہ پوچھنے لگی۔

"ہاں —— میری بہن !"

وہ جھٹک کر تصویر پر لیٹ گئی اور اُرملا کا مُنہ چُومتے ہوئے بولی۔

"ایں —چُو چُو ......"

"یعنی تمہاری بہن اچھی ہے۔ جس چیز کو اچھا کہنا ہوتا وہ اسے چو چو کہتی تھی۔ ماما چُوچُو، آیا چُوچُو، گڑیا چُوچُو سب چُوچُو تھے سوائے اس کے پاپا کے جو اس کے اور صرف اس کے اپنے تھے۔ پاپا "میلے" تھے (پاپا میرے) باقی

سب چوچو تھے ۔ بس پاپا میلے ......

وہ عجیب و غریب لڑکی تھی کبھی کبھی بالکل بڑوں کی طرح مجھے بلاتی تھی ۔ ایکبار سردیوں کے دن تھے وہ بہت دیر سے آئے میں نے دیر تک انتظار کر کے آخر کھانا کھالیا اور پھر بچّی کو لے کر خوابگاہ میں چلی گئی ۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ کنور جی کے بستر پر سوتی تھی اس کے پاپا ابھی آئے نہ تھے مگر اس نے مجھ سے ضد کی کہ میں اس کو بستر پر لٹا دوں ۔ میں نے کہا ابھی تمہارے پاپا آئے نہیں ہیں تم میرے بستر پر سو جاؤ مگر وہ نہیں مانی اپنے پاپا کے بستر پر سونے کے لئے اصرار کرتی رہی اور ہاتھ پیر پٹک کر روتی رہی ۔ آخر تھک ہار کر میں نے کھلائی سے کہا کہ اسے اس کے پاپا کے بستر ہی پر لٹا دے ۔ جب کھلائی اُسے دوسرے بستر پر لٹا کر چلی گئی بچّی جو دونوں آنکھیں بند کئے دم سادھے پڑی تھی یکایک آنکھیں کھول کر شرارت سے میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی اور اپنی ننھی ننھی باہوں سے اپنے پاپا کے چھپر کھٹ پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگی — " پاپا میلے ..... پاپا میلے "۔

" ہاں ہاں پاپا تیلے ...... پاپا تیلے ہی بھلے ۔ تو ہی سنبھال مجھے کیا کرنا ہے تیرے پاپا کو لے کر "۔

" ناں ۔ پاپا میلے ! " وہ معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر بولی اور اتنا کہہ کر زور زور سے ہنسنے لگی ۔ ڈاکٹر گھوش میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ اس وقت اس ڈیڑھ سال کی بچّی کی وہ نگاہیں کتنی پرانی اور معنی خیز تھیں مجھے ایسا لگا جیسے اُرملا مجھے چیلنج دے رہی ہے براہ راست میری ہنسی اڑا رہی ہے اس بچی کے قہقہے میں کتنی شدید تضحیک تھی میرے لئے .... اور اس قہقہے کی گونج بالکل اُرملا کے قہقہے کی طرح تھی ۔

" یہ آپ کا واہمہ تھا " میں نے رانی جی سے کہا آپ کے حد سے بڑھے ہوئے

شبہات نے اس معصوم بچّی کی نگاہوں میں وہ سب پڑھ لیا جو وہاں تھا ہی نہیں"۔

"نہیں ایسا نہیں ہے" رانی جی قطعیت سے بولیں "میں واہموں میں نہیں پڑتی لیکن نگاہوں کا مطلب بھی خوب جانتی ہوں جوں جوں وہ بڑی ہو رہی تھی میرا دلی ہیجان بڑھ رہا تھا بڑی ہو کر یہ کیا کرے گی؟ کس طرح مجھ سے انتقام لے گی اب یہی فکر مجھے دن رات کھائے جا رہی تھی۔ ایک تو اس کا میری کوکھ سے پیدا ہونا ہی میرے لئے سوہانِ روح تھا اور پھر اس کو پالنا اور اس کو اپنی بچّی کہنا اور اس سے پیار کرنے کی کوشش بھی کرنا میرے لئے یہ باتیں کس قدر اذیّت کا باعث تھیں۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی اور میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اس بچّی کا کیا کروں؟ اتنے میں ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ ہوا جس نے مجھے جلد ہی فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا"

"کیا ہوا؟"

"کنور جی کو فلو ہوا۔ فلو تم جانتے ہو چھوت کا مرض ہے بچّوں میں بہت جلد سرایت کرتا ہے۔ کنور جی ہر روز بچّی کو اپنے ساتھ سلاتے تھے۔ آج کہنے لگے۔ "اُسے آج تم اپنے ساتھ سُلالو"۔ میں نے کہا کھلائی اسے بچّوں کے کمرہ میں سلا دیگی خود بھی وہیں سو جائے گی مگر وہ نہیں مانے اصرار کرتے رہے کہ میں ہی اسے اپنے ساتھ سلاؤں"۔

مجھے معلوم تھا کنور جی کو چھوڑ کر وہ کسی طرح میرے سنگ سونے کو تیار نہ ہوگی اسی لئے میں ناں کر رہی تھی مگر آخر کو ماں تھی کب تک انکار کرتی۔ بچّی کو اپنے سنگ سلانے پر راضی ہوگئی مگر اب وہی ہوا جس کا مجھے خطرہ تھا بچّی کسی طرح رات کو کنور جی سے الگ ہونے پر تیار نہ تھی۔ بہت روئی ——— بہت غل مچایا اس نے جب میں نے دھر کے ایک طمانچہ دیا تو سہم کر میرے ساتھ سونے پر تیار ہوگئی۔

دیر تک میرے بستر پر لیٹی سسکتی رہی۔ آخر کار میرے سینے سے لگ کر سو گئی۔

"پھر ایسا ہوا کہ آدھی رات کے وقت مجھے اپنا دم گھٹتا سا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے گلے میں پھندا ڈال دیا ہو اور اب اسے کس کر میرا گلا گھونٹ رہا ہو۔ میں ہڑبڑا کر جاگی اور جب میری آنکھ کھلی تو کمرہ میں مکمل اندھیرا تھا اور میرے پلنگ کے آس پاس کوئی نہ تھا مگر میرا دم تھا کہ مسلسل گھٹا جا رہا تھا۔ سانس بڑی مشکل سے آ رہی تھی یکایک میرا ہاتھ میری گردن پر گیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے گلے میں پڑا ہوا میرے سہاگ کا منگل سوتر جو ہر وقت میرے گلے کا ہار بن کر پڑا رہتا تھا۔ میری گردن کے گرد بڑی زور سے کس دبا گیا ہے۔ یا کسی نے کس دیا ہے۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے فوراً روشنی کی تو دیکھا کہ بچی بے خبر میرے سینے سے لگی سو رہی ہے اس کا ایک ہاتھ میرے سینے پر ہے۔ مگر وہ دوسرے ہاتھ سے منگل سوتر کی سنہری زنجیر کو میری گردن کے گرد کس رہی ہے یہ کمبخت مردار اُڑ ملا کیا سچ مچ اس بچی کی شکل میں میری جان لینے کو آئی ہے میں نے بڑی مشکل سے اس کے ہاتھ سے اپنے منگل سوتر کو علیحدہ کیا۔ اس چھوٹی بچی کی انگلیوں کی کیسی زبردست پکڑ تھی۔ کسی طرح وہ اس منگل سوتر کو اپنی انگلیوں سے علیحدہ کرنے پر تیار نہ تھی بلکہ اُسے اور کسے جا رہی تھی میں نے اپنے ہاتھ کے ایک زوردار جھٹکے سے جب منگل سوتر کو اس کے ہاتھ سے الگ کیا تو یکایک وہ جاگ اٹھی اور چیخ چیخ کر رونے لگی اس قدر روئی اس قدر روئی کہ کنورجی دوسرے کمرہ سے بھاگے بھاگے آئے اور خلو کے باوجود اپنی لڑکی کو اٹھا کر اپنے بستر پر لے گئے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کمبخت نے آج تو میری جان ہی لے لی تھی۔"

"ڈیڑھ سال کی بچی آپ کی جان کیسے لے سکتی تھی رانی صاحبہ۔ وہ تو بچی

کا ہاتھ سوتے میں آپ کے منگل سوتر پر پڑ گیا ہوگا اور نیند میں اُلجھتا گیا ہوگا۔
ایسی معمولی فطری سی بات کو آپ اس قدر پُراسرار رنگ دے رہی ہیں۔"
"اگر آپ کے ساتھ یہی واقعہ اس طرح پیش آتا تو آپ ہرگز یہ نہ کہتے
اس واقعہ نے، اتفاق نے، حادثے نے کچھ بھی کہو مجھے خبردار کر دیا۔ مجھے
اچھی طرح سے جتا دیا کہ آنے والے شب و روز میں یہ لڑکی کیا رنگ لائے گی
ابھی سے ایک طرح سے اس نے کنور جی کو مجھ سے چھین لیا تھا جو کام اُرملا
میری بہن بن کر نہ کر سکی تھی وہ کام اس نے میری بچی بن کر پورا کر لیا تھا۔"
میں نے مزید بحث میں اُلجھنا بیکار سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔ رانی جی کی
آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ سختی سے اندر کو بھینچے ہوئے تھے جیسے اب انہیں
جو کچھ کہنا ہے وہ اُسے کہنا نہیں چاہتیں یا کہنا ہی چاہتی ہیں تو اس کے لئے
انہیں مناسب الفاظ نہیں ملتے اور اگر الفاظ ملتے ہیں تو شاید لہجہ نہیں ملتا۔

"پھر ——؟" میں نے پوچھا!

"پھر —— وہ مر گئی۔"

رانی جی نے بڑے ٹھنڈے اور نپے تُلے لہجہ میں کہا - میں چونک کر ان کے چہرہ کی طرف دیکھنے لگا - کیسی غضب کی عورت ہے یہ :-

اس نے ان الفاظ کو اس طرح ادا کرنے کے لئے اپنی طبیعت پر کتنا بڑا جبر کیا ہوگا اور اس کے لئے کتنا بڑا روحانی تاوان دیا ہوگا کوئی معمولی عورت ان الفاظ کو اس طرح سے ادا نہیں کر سکتی - لاوا جب کئی بار کھول کھول کر مرتا ہے تو ایک چٹان تیار ہوتی ہے -

"کیسے مر گئی ؟" میرے مُنہ سے نکلا !

"جیسے بچے مرتے ہیں دو دن بخار ہوتا ہے تیسرے دن دم توڑ دیتے ہیں بچے تو پھُول کی طرح نازک ہوتے ہیں اُسے کنور جی سے فلو ہو گیا تھا -"

"کنور جی اس وقت کہاں تھے ؟"

"کنور جی بچّی کو میری تحویل میں دے کے گئے تھے صحیح سلامت - وہ نہ جاتے اور اگر جاتے تو بچّی کو ساتھ لے کر جاتے مگر افتاد ہی ایسی آن پڑی تھی ان کے چاچا جو خود ایک بہت بڑے تعلقہ دار تھے بستر مرگ پر پڑے تھے - اور انہوں نے سوار بھیج کر کنور جی کو فوراً بلایا تھا انہیں جانا پڑا پہلے تو وہ بہت لیت و لعل کرتے

رہے نہ جانے کے لئے بہانے بناتے رہے مگر آخر کو میرے سمجھانے بجھانے پر
بادل ونخواستہ چلے گئے اُن کے جاتے ہی بچّی کی حالت بگڑنے لگی دو دن تیز بخار رہا۔
تیسرے دن وہ مر گئی جب وہ واپس آئے تو غم سے نیم پاگل سے ہو گئے اس
وقت پہلی بار مجھے شبہ ہی نہیں یقین ہو گیا کہ وہ اُرملا کو کبھی نہیں بھولے تھے۔
کبھی بھول بھی نہیں سکیں گے۔ میری ہر کاوش بیکار تھی"۔

وہ چُپ ہو گئی مگر اس کا سارا جسم مرتعش تھا کسی اندرونی زلزلے سے کانپ
رہا تھا وہ دیر تک چپ رہی اور دیر تک میری توجہ اپنے سگار پر رہی اور میں کچھ
نہیں بولا کیونکہ میں کہانی سننے والا تھا۔ میں کیا کہہ سکتا تھا۔

بہت دیر کے بعد وہ بولی ـــــ "اب وقت کیا ہو گا؟"

میں نے گھڑی دیکھ کر کہا "چھ بجنے میں آدھ گھنٹہ باقی ہے"۔

"وقت قریب آ رہا ہے" وہ بڑے پراسرار لہجہ میں بولی۔

"کاہے کا؟" ـــــ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ابھی تھوڑی دیر میں تم سب جان جاؤ گے"۔ وہ مجھے تسلّی دیتی ہوئی بولی ـــ
"جلدی مت کرو ابھی سب جان لو گے اب میں کہانی کے آخری حصّہ پر پہنچ رہی ہوں"۔

"آگے چلنے سے پہلے ایک بات پوچھ لوں ـ وہ لڑکی خود مری تھی یا ماری گئی
تھی ـــــ؟"

معاً اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے سینے پر رکھ لئے۔ چند لمحوں کے لئے
وہ اس طرح کانپی جیسے طوفان کی زد پر آیا ہوا پتّہ کانپتا ہے۔ پھر یکایک وہ
ساکت ہو گئی بڑے نپے تلے لہجہ میں وہ رُک رُک کر ایک ایک لفظ پر زور
دیتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں تم سے کہہ چکی ہوں۔ میں نہ جھک سکتی ہوں نہ ٹوٹ سکتی ہوں!"

"بچّی کے مرنے کے بعد چند دن تک کنور جی نیم پاگل سے رہے پھر رفتہ رفتہ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر وہ اپنے کاموں میں مشغول رہنے لگے بدستور سابق میری دلداری کرنے لگے۔ انہوں نے ہر اس تبدیلی کو مٹا ڈالا جو گذشتہ ڈیڑھ سال میں بچّی کی حیات چند روزہ ان کے لئے لائی تھی۔ مگر اتنا میں نے ضرور محسوس کیا جیسے وہ مجھ سے گئے ہیں غائب سے رہنے لگے ہیں، دنیا کی تمام دلچسپیوں گھریلو مشاغل اور میری طرف سے شدید محبت کے اظہار کے باوجود اندر ہی اندر کہیں گم رہنے لگے ہیں میں بہت سٹپٹائی طرح طرح کی کوششوں سے میں نے ان کا دل لگانا چاہا۔ مگر ہر بات میں ان کی دلچسپی اوپری تھی۔ میں تم سے کہتی ہوں کہ ہزار بار دُنیا دار ہونے کے باوجود وہ بہت معصوم آدمی تھے۔ پھر دسہ کرنا ان کی فطرت تھی اور شبہ کرنا ان کی فطرت کے خلاف تھا۔ مگر پہلی دفعہ میں نے دیکھا کہ ان کی صاف اُجلی نگاہ میری طرف دیکھتے ہی اب دھُواں دھُواں سی ہونے لگی تھی۔ ایک عجیب بےچین مضطرب کھولتا ہوا گدلا پن ان میں آجاتا تھا اور وہ جلدی سے ان نگاہوں کو چھپانے کے لئے اپنی آنکھیں جھکا لیتے تھے۔ یا اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے تھے مگر میں اُن کی ذہنی حالت سے بےخبر نہ تھی اور ان کی طرف سے پریشان رہنے لگی تھی۔

"لڑکی کی موت کے بعد کنور راج میں گہری تبدیلی آئی۔ ان کا مزاج تنہائی پسند ہوتا چلا گیا وہ اکیلے رہنے کو دوسروں کے ساتھ رہنے پر ترجیح دینے لگے اس سے پہلے وہ خاصے "EXTROVENT" تھے۔ انہیں لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چہل کرنا شکار پر جانا رات گئے دیر تک محفل جمانا غرضیکہ بے فکر رو سائے سارے مشاغل انہیں بے حد پسند تھے۔ ایک ایک کر وہ سارے مشاغل چھوڑتے گئے اور لوگوں سے کٹ کر اکیلے ہوتے گئے راج دربار کے کاموں میں ڈھیل ڈالنے لگے۔ بحث و مباحثے کے وقت اکثر چپ رہتے۔ ایسا لگتا تھا جیسے بہت سی باتوں سے ان کی دلچسپی اک دم غائب ہو گئی ہے۔

"اس سے پہلے ہم دونوں دن بھر ساتھ رہا کرتے تھے وقت کا خاصہ حصہ اکٹھے گذرتا تھا زنانے میں بھی بہت آتے تھے اب دن بھر نہیں آتے تھے ہولے ہولے رات کو بھی دیر سے آنے لگے۔ کچھ عجیب سا عمل ہو گیا تھا۔ ان سے بات کرو تو آدھی بات کا جواب دیتے تھے آدھی گول کر جاتے تھے زیادہ سوال کرو تو چپ ہو جاتے۔ کوئی بحث چھیڑو تو بظاہر دلچسپی لیتے ہوئے اندر ہی اندر کہیں غائب ہو جاتے بہت دیر کے بعد مجھے پتہ چلتا کہ میں بے کار کی جھک مار رہی تھی وہ تو سن ہی نہیں رہے تھے۔ ان باتوں سے طبیعت بہت اُلجھنے لگی تھی۔

"پھر اکٹھے تین دن اور تین راتیں وہ زنانے میں نہیں آئے میں بہت پریشان

ہوگئی اور تین دن کے بعد جب انہیں دیکھا تو اور بھی پریشان ہوگئی ڈاڑھی بڑھی ہوئی ماتھے پر شکنیں، چہـــرہ سوچ میں ڈوبا ہوا ایسا لگتا تھا جیسے تین دن سے نہ نہائے ہیں نہ کپڑے بدلے ہیں۔

" یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟" آخـــر میں نے بھی اس امر کا فیصلہ کرنے کا تہیّہ کر لیا۔

"کیا؟" وہ چونک کر بولے۔

" آئینے میں اپنے آپ کو دیکھئے۔"

" دیکھ لیا ـــــ" وہ بیزاری سے بولے "اس محل کے سارے آئینے غلط ہیں۔"

" غلط ہیں؟"

" ہاں ـــــ جو میں ہوں وہ یہ دکھاتے نہیں اور جو دکھاتے ہیں وہ میں نہیں ہوں۔"

"تو کیا کرنا چاہیئے؟"

" تم بھی آئینے میں دیکھا مت کرو اس محل کے سارے آئینے جھوٹ بولتے ہیں۔"

" تین دن تک آپ زنانے میں نہیں آئے مجھ سے ملے نہیں لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئی ہیں۔"

"مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔"

" پرواہ تو مجھے بھی نہیں ہے مگر زندگی نے جو مرتبہ ہمیں دیا ہے اس کے تقاضے یہی کہتے ہیں کہ آداب کو کسی صورت پر ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔"

" اور آداب کیا کہتے ہیں؟"

"آپ کو روز رات کو زنانے میں آنا چاہیئے۔ ناشتہ کے وقت ناشتہ اور کھانے کے وقت کھانا اور راج دربار کے کام کے وقت راج دربار کا کام کرنا چاہیئے آپ کی ایک بیوی بھی ہے۔"

"اوہ!" کہہ کر وہ ہنسے۔ بڑھی ہوئی ڈاڑھی میں مجھے ان کی ہنسی ان کا چہرہ ان کی سوچ میں ڈوبی ہوئی محزون مسکراہٹ بہت اچھی لگی۔ ایسا لگا جیسے وہ اجنبی ہوں اور آج پہلی مرتبہ میرے راج محل میں آئے ہوں میرا دل پہلی رات کی طرح ان کے لئے دھک دھک کرنے لگا۔ میں لڑائی کرنے آئی تھی جھگڑنے آئی تھی۔ مگر ان کی مسکراہٹ دیکھ کر سارا غصہ کافور ہو گیا میں بے اختیار ان کے پاس چلی گئی انہوں نے مجھے اپنی باہوں میں لے لیا ان کے جسم سے ایک عجیب سی خوشبو آ رہی تھی۔

"یہ کیسی خوشبو ہے؟" میں نے ان کی باہیں ان کا کندھا ان کا سینہ جگہ جگہ سے سونگھ کر کہا۔

"چندن کی خوشبو ہے۔"

"ہاں" میں نے پھر سونگھ کر کہا "ہاں چندن ہی تو ہے مگر کیوں؟"

"ایک تجربہ کر رہا ہوں۔" وہ عجیب لہجہ میں بولے۔

"کیا تجربہ —— ؟"

"جب مکمل ہو جائیگا تو بتاؤں گا۔"

"میں تو ابھی معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"ابھی تو مجھے خود بھی نہیں معلوم۔"

اتنا کہہ کر وہ کمرہ سے باہر چلے گئے اور پھر چار روز تک نہیں آئے۔

اتنا مجھے معلوم تھا کہ وہ ہیں گڑھی میں انھوں نے گڑھی کے سب سے اوپر اور سب سے اونچے حصہ میں جسے ہم ٹاور کہتے ہیں اپنا کمرہ بنالیا تھا اور اسی میں اپنے آپ کو دن رات بند رکھتے تھے اور وہاں سے رات دن عجب عجب سی آوازیں آتی تھیں ٹھکا ٹھک ہوتی، کھٹ کھٹ ہوتی۔ کبھی آدمی کے چلنے کبھی ضرب کے لگنے، کبھی کیل گاڑھنے کبھی چھیلنے کی آواز آتی۔ چندن کی لکڑیاں چُن چُن کر منگائی جاتی تھیں۔ رنگ اور برش اور خوبصورت کپڑے، خوبصورت اور رنگین اور مختلف طرح کی چیزیں دریں شب و روز پہنچائی جاتی تھیں۔ اتنا تو میں نے معلوم کرلیا۔ مگر سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کس طرح کا تجربہ کررہے تھے۔ میں چاہتی تو سیدھے اوپر ٹاور میں جاکے خود معلوم کرسکتی تھی مگر مناسب معلوم نہ ہوا اگر وہ مجھ سے کچھ چھپانا چاہتے ہیں تو چھپاتے رہیں میری جوتی کو پڑی ہے جو معلوم کرنے کی کوشش کروں۔

مگر چار روز کے بعد جب وہ آئے تو پہلے سے بھی زیادہ غائب اور سوچ میں ڈوبے ہوئے۔ ڈاڑھی پہلے سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا وہ بھی میلا تھا۔ کالر مُڑے ہوئے تھے اور بدن پر اور کپڑوں پر جگہ جگہ چندن کا برادہ نظر آرہا تھا۔

"کیا چندن سے کوئی دوا بنا رہے ہو؟" میں نے تنک کر پوچھا۔

"دل کی دوا" ــــ وہ مسکرا کر بولے۔

"کس کے دل کی دوا ــــ اپنے دل کی یا میرے دل کی؟"

"دونوں کے دل کی۔"

"مرض کی نوعیت کیا ہے؟"

"یہی تو معلوم نہیں۔" وہ آہ بھر کر بولے۔

"تمہیں ہو کیا گیا ہے؟"

"یہی تو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"جب تک ڈاڑھی بڑھاتے چلے جاؤ گے؟" میں نے پوچھا!

کوئی جواب نہیں ملا۔

"اور راتوں کو محل سے باہر رہو گے؟"

پھر کوئی جواب نہیں ملا۔

"شاید تم اب مجھ سے پیار نہیں کرتے ــــ میرے دل کے اندر کی عورت کہیں سے بول پڑی۔ میرے منع کرنے کے باوجود بول پڑی۔ اتنے برس ہو گئے تھے ہم دونوں کی شادی کو پیار کا لفظ ایک ناکردہ گناہ کی طرح ہمارے بیچ کبھی نہ آیا تھا کبھی کسی کی زبان سے ادا نہ ہوا تھا۔ پیار تو کرتے ہیں بولتے نہیں ہیں پیار تو لہو پیتا ہے اور چپ رہتا ہے۔"

"بیس برسوں میں جو لفظ میری زبان پر نہ آیا تھا وہ کیوں آج کلمۂ شکایت بن گیا۔ میں نے اپنی زبان دانتوں تلے داب لی مگر اب کیا ہو سکتا ہے لفظ تو

زبان سے نکل چکا تھا اور تیر کی طرح چل چکا تھا۔
" اگر تیر چل کر کہیں اُلجھ گیا تو بھی انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا ایک لمحہ کے لئے ان کا مُنھ کھلا ایک لمحہ کے لئے چہرہ پر غصّہ کا ایک رنگ آیا — دوسرے لمحہ میں اُنہوں نے جُھک کر مجھ سے کہا۔ بڑی نرمی کے ساتھ!
" آج تم میری شیو بنا دو۔"
" وہ صوفہ پر لیٹ گئے آنکھیں بند کر لیں میں شیو بنانے لگی۔ یہ ان کا طریقہ تھا جب وہ مجھ سے گہری قربت ظاہر کرنا چاہتے تو شیو بنانے کے لئے کہتے۔
مگر آج تو نہ صرف یہ کہ میں نے ان کی شیو بنائی۔ میں نے ان کے کپڑے بھی بدل دیئے خود نہلایا دُھلایا تولیے سے بدن پونچھا نئے کپڑے پہنائے۔ ایک بچّہ کی طرح بستر پر بٹھا دیا۔ انہوں نے بھی ایک بچہ کی طرح لاڈ کرتے ہوئے اپنے دونوں ہات میری طرف بڑھا دئے اور مجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور آنکھیں بند کر کے اپنا گال میرے گال سے لگا دیا۔"
" تم مجھ سے پیار کرتے وقت اپنی آنکھیں کیوں بند کر لیتے ہو؟" میں نے پُوچھا!
ان کا سارا بدن ایک لمحہ کے لئے ساکت ہو گیا پتّھر کی طرح جامد ہو گیا۔ پھر ہولے سے حرکت کی رو ان کے جسم میں دوڑنے لگی وہ آنکھیں بند کئے میری ٹھوڑی چُوم کر بولے۔
" کیونکہ میں بند آنکھوں سے زیادہ بہتر دیکھ سکتا ہوں"۔
" یہ بھی جھوٹ ہے میرے دل نے کہا تم زیادہ بہتر کیسے دیکھ سکتے ہو۔ کیا مجھے یا کسی اور کو۔ یہ زیادہ بہتر بہت ہی ذو معنی ہے یعنی کب میں تمہیں زیادہ بہتر دکھائی دیتی ہوں یا تم کسی اور کو جو مجھ سے زیادہ بہتر ہے دیکھتے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم حقیقت سے آنکھیں بند کر کے کسی خواب میں گم ہو جانے کی کوشش

کرتے ہو برسوں سے کرتے آئے ہو یعنی میرے گالوں کے لمس میں کسی اور کے رخسار کا لمس ڈھونڈتے ہو۔ آنکھیں بند کر کے میرے ہونٹ چومتے ہو اور ان ہونٹوں میں کسی اور کے بوسے تلاش کرتے ہو جسم میرا ہوا اور روح اَز ملاکی ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جی چاہتا ہے تم سے یہ سوال پوچھ لوں۔ کیا میری بیس برس کی پرستش نے تمہارے دل کا کوئی داغ مندمل نہیں کیا؟ کتنے ہی سوال آتے ہیں میرے دل میں جنھیں میں پوچھنا چاہتی ہوں مگر پوچھ نہیں سکتی۔ کیونکہ تمہارے اور میرے درمیان یہی ذو معنویت تو برسوں سے پختہ ہو رہی ہے اور زندگی کے اس بحرِ بیکراں میں جھوٹ کی بھی تو ایک نازک پتوار ہے جس سے ہماری شادی شدہ زندگی چل رہی ہے۔ اس پتوار کو بھی توڑ دوں تو پھر کیا ہوگا؟

اس لئے میں نے بات کا رُخ ہی پلٹ دیا۔ پُوچھا

"تمہارا تجربہ کامیاب رہا ——؟"

"ابھی آزما کر نہیں دیکھا۔"

"کب آزماؤگے؟"

"دو ایک دن میں۔"

"کس طرح کا تجربہ ہے؟ میرا مطلب ہے کیا تمہیں کیمیاگری کا شوق ہوا ہے؟ سنتے ہیں تمہارے دادا کو بھی شوق تھا۔ وہ سونا بنانے کا نسخہ دریافت کرتے رہے اور اسی شوق میں لاکھوں گنوا دئے۔ کیا تم بھی مٹی سے سونا بنانا چاہتے ہو؟"

"نہیں" انھوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا "میں سونے کو مٹی میں تبدیل کرنا چاہتا ہوں!"

"یہ کیا حماقت ہے۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"بات میری سمجھ میں بھی فی الحال نہیں آتی ہے اس لئے میں زیادہ تشریح

کیا کروں؟"

"سونے کو مٹی میں تبدیل کرنا؟ بھلا ایسی کیمیا گری میں کیا فائدہ ہے؟"

"فائدہ تو میں دیکھتا ہی نہیں"۔ وہ بڑے پُر اسرار لہجہ میں بولے "میں تو اب یہ دیکھتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ نقصان کس میں ہے"۔

"مہ اُلٹی سیدھی باتیں مت کرو"۔ میں پیار سے انہیں تھپک کر بولی "اب سو جاؤ تمہاری آنکھوں میں کئی راتوں کی نیند بھری ہے۔"

"تھوڑی دیر میں مجھے ان کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آئی پھر میں بھی انہیں تھپکتے تھپکتے سو گئی۔

"تیسرے پہر اچانک میری آنکھ کھل گئی دیکھا تو بستر خالی تھا۔ اٹھ کر ادھر اُدھر دیکھا باتھ روم دیکھا کہیں نظر نہ آئے گھبرا کر خواب گاہ کے باہر نکلی۔ پہرہ داریوں سے پُوچھا۔ انہوں نے بتایا "سرکار اوپر ٹاور میں گئے ہیں"۔

"اس گہری اندھیری رات میں اُوپر ٹاور جانے کا کیا مطلب؟ کیا ہو رہا ہے اوپر وہاں؟ —— کس طرح کا تجربہ ہے یہ؟ —— کیسی کیمیا گری ہے؟"

"کیا اس کیمیا گری کی آڑھ میں انہوں نے کوئی دوسری عورت تو نہیں رکھ لی؟— اوپر ٹاور میں؟ —— عجیب احمق تھی میں جواب تک ان پر اعتبار کرتی رہی اسے معمولی بات سمجھ کے ٹالتی گئی۔ مجھے معلوم کرنا ہی ہوگا"۔

"میں ٹاور کی طرف بڑھنے لگی دو پہرہ داریوں نے میرا ساتھ دینا چاہا میں نے جھڑک کر انہیں منع کر دیا اور اکیلی ہی موم شمع ہاتھ میں لے کر چلی"۔

"کئی کمرے، دالان، غلام گردش میرے قدموں کی چاپ سے گونجتے گئے۔ رات کے سناٹے میں اپنے قدموں کی چاپ بھی عجیب معلوم ہو رہی تھی جیسے کوئی دوسرا چل رہا ہو یا آپ کے قدم سے قدم ملائے آپ کے پیچھے پیچھے آ رہا ہو۔

ٹاور چوتھی منزل پر واقع ہے اور گڑھی کا سب سے اونچا سب سے دشوار گذار اور سب سے تاریک حصّہ ہے ایسا ہولناک سناٹا ہے یہاں کہ دن میں جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ پہلی تین منزلوں کی سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے دم پھول گیا۔ یہاں کچھ دیر کے لئے چوتھی غلام گردش میں رُکی اور ہاتھ میں شمعدان لئے کئی منٹ کھڑی رہی۔ یہاں آکر سناٹا اور بھی گہرا ہو گیا تھا جیسے سارا قلعہ دم روکے کھڑا ہو میرے سامنے ٹاور کا آہنی دروازہ تھا جس کے اندر چکر کھاتا ہوا گھومتا ہوا بلند ہوتا ہوا پتھّر کا ایک زینہ تھا۔ زینے سے ہٹ کے ٹاور کی گول چند دیواریں، جگہ جگہ سوراخ بھی اور ان میں پُرانے وضع کی توپیں نصب ہیں اور جہاں جہاں توپیں نصب ہیں وہاں زینہ تنگ کر دیا گیا ہے اور توپوں کے لئے حاشیے میں جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔

"ٹاور کا دروازہ ادھ کھلا تھا میں نے دھیرے سے اُسے کھول کر اندر جھانکا گھُپ اندھیرا تھا صرف جہاں پر توپ کا دہانہ باہر نکالنے کے لئے دیوار میں سوراخ تھا وہاں سے آسمان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نظر آتا تھا جس کی تاریکی میں تین چار تارے لرز رہے تھے۔

"دروازہ بے آواز کھُلا۔ میں اندر چلی گئی چند لمحوں تک ٹھٹھکی کھڑی رہی۔ پھر حواس مجتمع کر کے چکر لگاتی ہوئی سیڑھیوں پر اُوپر چڑھنے لگی۔ بہت آہستہ آہستہ بے آواز قدموں سے موم شمع کی روشنی زینے کے سینکڑوں برس پُرانے پتھّروں پر پڑ رہی تھی جن کا رنگ کسی زمانے میں نیلا ہوگا مگر اب سیاہی مائل ہو چکا تھا ہوا رُکی رُکی سی تھی اور فضا میں عجیب اک سیلن، بدبودار گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ گول زینے پر چڑھتے ہوئے ایک اور عجیب احساس ہوتا ہے۔ چونکہ ہر چند گز کے فاصلہ پر آگے آنے والی سیڑھیاں نظر سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ہر چند گز کے فاصلہ پر ایک

نئے منظرے کا احساس ہوتا ہے جو رات کی تاریکی میں رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ میں جو جنگل کی گھٹا ٹوپ تاریکی سے نہیں گھبراتی اس وقت اس اجنبی سمے میں اس ٹاور پر چڑھتے ہوئے ایک عجیب خطرہ سا محسوس کر رہی تھی مگر پھر بھی میں نے دل کڑا کیا اور ہمت کر کے اوپر چڑھتی گئی آگے بڑھتی گئی کہیں کہیں پر رُک رُک کر جلتی ہوئی شمع دان کو اپنے آنچل کی آڑھ میں چھپا کر پھر اوپر چڑھنے لگتی - باہر کی زور دار ہوا ان سوراخوں سے ٹکرا ٹکرا کر جہاں توپوں کے دہانے رکھے ہوئے تھے عجیب عجیب سی آوازیں پیدا کر رہی تھی ہُو ہُو ہُو جیسے جنگل کی ہر روحیں یا ٹاور کے بھوت پریت مجھ پر ہنس رہے ہوں مگر کچھ بھی ہو جائے مجھے تو اب آگے جانا ہی ہے اور اوپر ٹاور کے کمرہ میں پہنچ کر یہ دیکھنا ہے کہ وہ اس تیسرے پہر رات میں اکیلے اس ٹاور میں کیا کر رہے ہیں - زینے کا آخری چکر اب میری نگاہوں کے سامنے تھا اونچی جاتی ہوئی کوئی پچیس سیڑھیوں کے اوپر ٹاور کا وہ کمرہ تھا جس کے اوپر تانبے کا ایک تبتی وضع کا فانوس لٹکا ہوا تھا جس کی پیلی کمزور روشنی سیڑھیوں کی تاریکی میں ایک زرد ہالہ سا بنا رہی تھی جو فضا میں لرزتا ہوا محسوس ہوتا تھا - چاروں طرف تاریکی اور بیچ میں روشنی کا زرد کمزور سا ہالہ - تاریکی کے سمندر میں ایک کمزور کشتی کی طرح لرزتا ہوا -

"یہاں میں دم لینے کے لئے رُکی - ٹاور کا چوبی دروازہ اندر سے بند تھا - سیڑھیوں پر کوئی نہیں تھا فانوس کی زرد پیلی لرزتی سی روشنی سناٹے کی ہیبت میں اور بھی اضافہ کر رہی تھی۔"

"میں نے شمع دان کو زینے کی ایک سیڑھی پر رکھ دیا - دوسری سیڑھی پر خود بیٹھ کر کپڑے ٹھیک کرنے لگی پھر اپنے بال ٹھیک کئے پھر شمع دان اٹھانے کو ہاتھ جو بڑھایا تو ہوا کا ایک تیز جھونکا کہیں سے آیا اور شمع دان میرے ہاتھوں میں گل ہو گیا۔ تاریکی

اور بھی گہری ہو گئی ۔

پھر نہایت ہولے ہولے اُوپر ٹاور کا دروازہ کھُلنے لگا ۔ دھیرے دھیرے کھُلتا گیا اور ایک عورت نمودار ہوئی جسے دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور میں ان سیڑھیوں پر بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی ۔

یہ اُرملا تھی ۔

"میں خوف اور دہشت سے چیخ مارنے کو تھی کہ جلدی سے میں نے اپنے منہ پر ہات رکھ لیا —— یہ اُرملا تھی ہو بہو اُرملا وہی چہرہ وہی مسکراہٹ وہی کپڑے وہی قد وقامت وہ ٹاور کے دروازہ میں کھڑی تھی اور مسکرا رہی تھی اور اس کے کھلے بالوں میں تبتی فانوس کی روشنی چمک رہی تھی روشنی بہت کمزور تھی مگر میں نے اُسے پہچان لیا۔"

"جیسے میرے پاؤں سیڑھیوں میں گڑ گئے تھے پتھر کے فرش کا ایک حصّہ بن گئے تھے میرا سارا جسم سُن تھا جامد وساکت۔ دل کی حرکت بھی جیسے بند ہوگئی ہو میں بس اُسے تکے جارہی تھی مگر اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی تھی۔"

"پھر جیسے اُرملا نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے دیکھتے ہی وہ میری طرف بڑھنے لگی سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگی ہونٹوں پر ایک عجیب تضحیک آمیز مسکراہٹ تھی۔ ہولے ہولے وہ ٹاور کی گنبد نما تاریکی میں اُترتی ہوئی میری طرف دھیرے دھیرے گویا تاریکی میں تیرتی ہوئی میری طرف بڑھ رہی تھی ہولے ہولے اس کا وہ تضحیک آمیز تبسّم والا چہرہ میرے قریب آتا جاتا تھا، میرے قریب آتا جاتا تھا خوف اور دہشت سے میں نے چیخنا چاہا مگر میری [illegible] جواب دے گئی مجھے ایسا لگا

جیسے میری زبان میرے تالو سے چپک گئی ہے میں نے اٹھ کر بھاگنا چاہا مگر میرے قدم
وہیں کے وہیں گڑے کے گڑے رہ گئے اس کا چہرہ میرے قریب آتا گیا قریب آتا گیا۔
یکایک سارا زینہ میرے گرد چکر کھانے لگا اور ہُو ہُو کر کے لاکھوں چمگادڑیں میرے ذہن
میں شور مچانے لگیں۔ پھر وہ چہرہ یکایک تاریکی میں گھل گیا اور اس کے ساتھ ساتھ
میرے احساس بھی پھر مجھے یاد نہیں کیا ہوا شاید میں اس خوف اور وحشت سے
ان سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو گئی تھی۔

"جب ہوش میں آئی تو میں اپنے بستر پر تھی اور وہ گہری سنجیدگی انہماک سے
مجھے دیکھ رہے تھے۔ مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر انہوں نے سکون کا ایک سانس لیا اور
پیچھے ہٹ کر میرے بستر کے قریب ایک آرام کرسی پر دراز ہو گئے اور ایک ہاتھ اپنے
سر پر رکھ لیا جس سے میں ان کی آنکھیں نہ دیکھ سکتی تھی۔"

"کچھ عرصہ کے بعد جب میں بولنے کے قابل ہوئی تو میں نے پوچھا۔

"وہ اُرملا تھی نا؟"

وہ سرہلا کے بولے "نہیں —— وہ لکڑی کا ایک پتلا تھا۔"

"لکڑی کا پتلا؟"

"ہاں۔ تم سے ایک نئے تجربہ کی بات نہیں کر رہا تھا سو وہ تجربہ وہی تھا۔
میں اوپر کا اور میں شمبھو دادا سے لکڑی کے قدِ آدم پتلے تیار کرا رہا ہوں سوچا تھا
رام نومی پر ان پتلیوں کی مدد سے راماین کا ڈرامہ کھیلوں گا۔ نئی چیز ہوگی اور
ہمارے علاقہ کے لئے بہتر بھی۔ یہاں نہ تو تھیٹر ہے نہ سینما بے چارے غریب لوگوں
کی تفریح کا کوئی سامان نہیں ہے۔ پتلیوں کے کھیل ہیں مگر پرانی وضع کے۔ میں نے
سوچا شمبھو دادا کی مدد سے نئے پتلے بنوا کر نئے طور اور نئے ساز و سامان سے
ایک نیا کھیل کھیلا جائے۔ میں تم سے یہ تجربہ اس لئے راز میں رکھ رہا تھا کہ میں

رام نومی کے موقع پر اچانک تمہیں یہ کھیل دکھا کر مبہوت کر دیتا مگر تم وقت سے پہلے آگئیں رامائن کی گڑیا کتھا دیکھنے سے پہلے . . . . . . "

"مگر —— مگر . . . . . میں نے کہا . . . . . اس پتلے کی شکل تو ہو بہو ——

ہو بہو —— اُرملا سے ملتی ہے ! —— ہے نا ؟" —— "ہاں ٹھیک ہے —— وہ پتلا لکشمن کی بیوی کا تھا ۔ جس نے اپنے پتی کے بچھڑنے پر چودہ سال ایک برہن کا بن باس کاٹا ۔ یاد ہے"! کنور جی نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔

" میرا خیال ہے اس کا تجربہ کامیاب رہا ۔" میں نے غور کرتے ہوئے کہا ۔

" تم ٹھیک کہتے ہو ڈاکٹر گھوش !" رانی جی اپنی بے چین انگلیوں کو جلدی جلدی ایک دوسرے میں گڈمڈ کرتی ہوئی بولیں میرا خیال ہے وہ رامائن کی گڑیا کتھا کا تو ایک بہانہ تھا وہ اس کھیل میں اُرملا میری بہن کی شکل کی ایک قدِ آدم گڑیا بنا کے میرا امتحان لینا چاہتا تھا شاید وہ مجھے ساری پبلک میں بے نقاب کرنا چاہتا تھا یہ ٹھیک سے میں نہیں جانتی کہ وہ کیا کرنا چاہتا تھا —— مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اس دن جب وہ اُرملا کے اس قدِ آدم پتلے کے پیچھے چھپا ہوا اسے سیڑھیوں سے نیچے اتار رہا تھا اس وقت مجھے دیکھ کر اپنے تجربہ کی آزمائش کا فیصلہ کر لیا ہوگا ۔ وہ بہت اچھا موقع تھا اس کے لئے اور اس سے اس نے پورا فائدہ اٹھایا مجھے اچانک خبردار کئے بغیر اس نے اس پتلے کے ذریعہ اس گہرے احساسِ جرم کو میری آنکھوں میں پڑھ لیا جو اب تک

اس کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔"

رانی جی کی آنکھوں میں اس وقت تاسف کی ایک گہری اُداسی تھی۔

"پھر کیا وہ رامائن کی گڑیا کتھا کا کھیل کھیلا گیا؟"

"نہیں۔ میں نے کینسل کرا دیا وہ کھیل تو ایک طرح سے کھیلا ہی جا چکا تھا۔"

"اور اُرملا کی وہ گڑیا؟"

"اُسے میں نے جلوا دیا۔"

"جلوا دیا؟"

"ہاں - یہ کہہ کر جلوایا کہ چونکہ میری بہن کی لاش نہیں ملی تھی اس لئے اُسے جلایا بھی نہ جا سکا تھا اس لئے اس کی بھٹکی ہوئی روح کو شانتی دینے کے لئے میں نے صندل کی لکڑی کا یہ پُتلا بنوایا ہے اور اب اسے اُرملا کی برسی کے روز باقاعدہ ارتھی اُٹھا کر شمشان گھاٹ میں جلایا جائے گا۔ میرے اس فیصلہ کو پبلک نے بہت پسند کیا اس ارتھی کے ساتھ ساتھ کنور راج بھی گئے تھے مگر عجیب بات یہ تھی کہ اس روز شمشان گھاٹ جاتے ہوئے اس ارتھی کے ساتھ جاتے ہوئے اس ارتھی کے ساتھ انہوں نے کسی خاص غم کا اظہار نہیں کیا نہ ارتھی اٹھاتے وقت نہ شمشان گھاٹ میں جلاتے وقت، واپس آکر ہم لوگ پُرانے دستور کے مطابق کچھ دیر اسی تُنگ کے پیڑ کے نیچے ٹہلتے رہے جس کے قریب کے سنگِ مرمر کے چبوترے سے گر کر اُرملا کی جان گئی تھی۔"

"ٹہلتے ٹہلتے یکایک انہوں نے مجھ سے پُوچھا:"

"جب اُرملا گری تھی اس وقت تم کہاں کھڑی تھی؟"

"میں چونک گئی آج تک انہوں نے مجھ سے یہ سوال نہ پُوچھا تھا بلکہ آج تک اس واقعہ پر کبھی کوئی گفتگو میرے اور اُن کے درمیان نہ ہوئی تھی میں

دیر تک ان کی طرف دیکھتی رہی پھر میں بڑی مضبوطی سے اپنی جگہ سے چل کر سنگ مرمر کے اس چبوترے کے پاس کھڑی ہو گئی جہاں میں اس رات کھڑی تھی جس رات اُرملا کی شادی کنور جی سے ہونے والی تھی۔

"یہاں!" میں نے چبوترے کے قریب کھڑی ہو کر بتایا۔

"اور اُرملا کہاں تھی؟" انہوں نے مجھ سے پوچھا!

میں نے چبوترے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "یہاں!"

"یہاں کہاں؟ ٹھیک جگہ پر کھڑی ہو کر بتاؤ۔"

"میں چبوترے پر بے خوف اور بے دھڑک چڑھ گئی اور اس جگہ پر کھڑی ہو گئی جہاں ارملا کھڑی تھی۔"

"اور وہ انگور کے خوشے کہاں تھے؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہاں!" میں نے اپنے سر کے اوپر ہاتھ ہلاتے ہوئے بتایا۔

"توڑ کے بتاؤ؟"

"میں نے انگور کا ایک خوشہ توڑ کر ہاتھ میں جھلایا۔

"وہ کچھ مایوس سے ہو گئے جیسے انہوں نے کوئی چال سوچی تھی وہ کارگر نہ ہو رہی تھی۔ چند لمحوں تک وہ چپ رہے پھر یکایک بولے۔ تم یہیں کھڑی رہو میں ابھی آتا ہوں۔

مجھے کچھ عجیب سا لگا مگر میں کھڑی رہی وہیں چبوترے پر انگور کا خوشہ ہاتھ میں جھلاتے ہوئے۔

"تھوڑی دیر کے بعد وہ اندر سے باہر آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک رائفل تھی۔ میں بھونچکی رہ گئی یکایک لہو زور سے میری رگوں میں اچھلا پر تھم سا گیا۔ پھر دل کا ہر دھڑکن ڈوبنے سا لگا۔

" اس نے میری طرف نشانہ لے کر کہا۔ اسی طرح کھڑی رہو ہاتھ میں انگور کا خوشہ لے کر مطلق نہ ہلنا۔ میں تم کو تنبیہہ کرتا ہوں ذرا بھی نہ ہلنا "

" یہ کیا مذاق ہے۔ میں چلائی! "

گھبراؤ مت۔ میرا نشانہ بہت اچھا ہے پہلے ہی فائر میں انگور کا یہ خوشہ تمہارے ہاتھ سے جھٹک کر نیچے کھڈ میں گر جائے گا "

" کنور نے شست باندھی میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اب سب کچھ جانتا ہے مجھ سے جھوٹ بول رہا ہے اور اس نے مجھے سزا دینے کے لئے یہ چال چلی ہے مگر میں نہتی تھی اور دُور نزدیک کوئی خادم بھی موجود نہ تھا اور کنور کے پاس رائفل تھی۔ بھاگنے سے بھی کیا فائدہ۔ وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ رائفل کی نال اب میرے سامنے تھی میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں "

" یکایک زور کا فائر ہوا۔ انگور کا خوشہ میرے ہاتھ سے گر کر دور نیچے کہیں کھڈ میں بکھر گیا ہوگا۔ میں چبوترے پر صحیح وسلامت کھڑی تھی "

" دیکھا میرا نشانہ " کنور نے رائفل چھوڑ کر تالی بجائی اور مسکرا کر مجھے دونوں ہاتھوں سے چبوترے سے اتار لیا۔

دوسرے سال بھی یہی ہوا۔

" دوسرے سال بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے سال کی برسی پر بھی یہی ہوا اور اگلے پانچ سال تک یہی ہوتا رہا وہ مجھے چبوترے پر چڑھا دیتے انگور کا ایک خوشہ میرے ہاتھ میں دیتے خود اندر رائفل لینے جاتے واپس آکر نشانہ باندھتے انگور کا خوشہ میرے ہاتھ سے گر جاتا میں صحیح وسلامت کھڑی رہ جاتی یہ سب کچھ تو ہوتا تھا مگر ان لمحوں میں جس عذاب سے گزرتی تھی اس کا اندازہ کچھ مجھے ہی تھا۔

اس وقت شست باندھتے وقت کنور کی آنکھیں گویا کسی اندرونی شیطنیت سے اُبلنے لگتی تھیں میں ان آنکھوں کی چمک اور غصہ اور انتقام کی تاب نہ لاسکتی تھی مگر مجھے اس کھیل میں بھی ہارنا نہیں تھا۔ کیا وہ مجھے اس بات کی دعوت دے رہا تھا کہ جب وہ رائیفل لینے اندر جاتا ہے اور جب وہ رائیفل لے کر واپس آتا ہے تو کیا اس بیچ کے عرصہ میں وہ مجھے چبوترے سے نیچے اترا ہوا پائے گا۔ یا کیا وہ یہ چاہتا ہے کہ اس عرصہ میں میں خود اپنے احساسِ جُرم سے متاثر ہو کر نیچے کھڈ میں چھلانگ لگا دوں گی یا جب وہ مجھے اس کھیل کے ختم ہو جانے کے بعد چبوترے سے اتارتے ہوئے اپنی باہنوں میں لے گا میں اسے کانپتے ہوئے ڈرتے ہوئے سسکتے ہوئے ملوں گی۔ ایسا تو کبھی ہو نہیں سکتا۔ ہر بار میں نے اُسے مایوس کیا ہر سال مایوس کیا مگر اس میں شُبہ نہیں کہ ہر سال وہ دن میرے لئے قیامت کا دن ہوتا تھا ایسا لگتا تھا جیسے ہر سال وہ اس روز اس قتل کا مجھ سے بدلہ لیتا ہے ایسی طنزیہ مسکراہٹ ہوتی تھی اس وقت اس کے چہرہ پر کہ میرا جی چاہتا تھا اس کا منہ نوچ لُوں مگر میں کچھ کہہ نہ سکتی تھی کیونکہ ہر کھیل کے اپنے آداب ہوتے ہیں اور ہم لوگ جو حکومت کرتے ہیں کھیل کے آداب نہیں توڑ سکتے۔

"پانچویں سال میں نے کنور جی سے کہا۔
"آج آپ وہاں کھڑے رہیئے جہاں اُرملا کھڑی تھی جہاں پانچ سالوں سے میں کھڑی ہو رہی ہوں۔ اسی جگہ اسی طرح ہاتھ میں انگور کا خوشہ لے کر!"
"وہ کیوں؟"
"میرا بھی نشانہ دیکھئے بے خطا ہے۔"
"چند لمحوں تک وہ مجھے بڑے غور سے دیکھتے رہے ایک عجیب سی مسکراہٹ

ان کے چہرہ پر آئی پھر وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر چبوترے کی طرف بڑھ گئے۔ ایک لمحہ کے لئے ان کا ہاتھ اسی جگہ پر رُکا جہاں اُرملا کے قدم رُکے تھے۔ پھر وہ ہاتھ اُن کے ماتھے تک گیا جیسے انہوں نے برسوں سے بچھڑی ہوئی اُرملا کے قدموں کی مٹی اپنے ماتھے سے لگالی۔ پھر وہ اُرملا کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ ہاتھ بڑھا کر انہوں نے انگور کی بیل سے اودے انگوروں کا ایک خوشہ توڑ لیا اور اسے جھلاتے ہوئے بولے۔

"لائیے۔ آپ کا نشانہ بھی دیکھیں۔"

"میں اندر گئی اپنی رائفل لے کر آئی۔ سِشت باندھی وہ بڑا سا انگوروں کا خوشہ ہاتھ میں لٹکائے اُرملا کی جگہ کھڑے تھے۔ میں نے سِشت باندھ کر گولی چلائی۔ گولی ان کے سینے کے پار ہو گئی۔ چشم زدن میں ان کا جسم دُور نیچے ہزاروں فٹ گہری کھڈ میں لڑکھڑاتا ہوا گرتے چلا گیا اور بان گنگا کی شوریدہ لہروں میں گُم ہو گیا۔"

رانی جی چپ چاپ تکیوں کے سہارے بستر پر بیٹھی ہوئی اپنی رنگین دلائی کے کنارے سے کھیل رہی تھیں۔

میں نے کہا۔"اخباروں میں میں نے اس کا ذکر پڑھا تھا غالباً برطانوی حکومت نے آپ پر مقدمہ بھی چلایا تھا!"

"ہاں! مگر میں بری ہوگئی تھی۔ میں نے دو کروڑ روپے کی رشوت دی تھی!"

"کوئی کرنل تھے جو آپ کے مقدمہ کی تفتیش پر مقرر کئے گئے تھے۔"

"ہاں ۔کرنل ڈی وائیڑان کا نام تھا انہوں نے دو کروڑ روپے لے کر مجھے بری الذمہ قرار دیا۔"

وہ اپنی ریشمی دلائی کے رنگین کناروں سے اپنی انگلی کے ناخن اُلجھا کر اس کے تار نکالنے لگیں۔ میں سگار سلگا کر دھوئیں کے مرغولے ہوا میں چھوڑنے لگا۔ اس خاموشی کے دوران میں خادمہ آئی اور فانوس روشن کر گئی پہاڑوں پر سورج بہت جلد ڈوبتا ہے۔ شام بہت جلد گہری ہوتی ہے سناٹا بہت جلد بڑھتا ہے اس وقت چاروں طرف سناٹا اس قدر بڑھ گیا تھا کہ مجھے اپنا دم رُکتا ہوا محسوس ہوا۔

میں نے پوچھا "آخر کار آپ نے اس راز کو افشا کر دینے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

وہ بولی ——

" اپنی خوشی سے نہیں بتا رہی ہوں مجبور ہو کے بتا رہی ہوں کچھ عرصہ سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اگر کسی کو نہیں بتاؤں گی تو شاید میرا دم رُک جائے گا میرا سینہ پھٹ جائے گا شاید میں پاگل ہو جاؤں گی ذہنی توازن کھو بیٹھوں گی۔ بیٹھے بیٹھے مجھے چکر آنے لگتے ہیں ساری دنیا مجھے گھومتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور پھر چاروں طرف ایک گونج میرے چاروں طرف چکر لگاتی ہوئی ایک بھیانک چمگادڑ کی طرح چیختی چلاتی ہوئی رات کو میرے اس قدر قریب آجاتی ہے کہ میں اپنے بستر سے اٹھ کر بیٹھ جاتی ہوں کانوں میں انگلیاں دے لیتی ہوں میرا سارا جسم پسینہ میں تر ہو جاتا ہے۔ یہ اذیت مجھ سے برداشت نہیں ہوتی مجھے ایسا لگا جیسے اب مجھے کسی نہ کسی کو بتانا ہی پڑے گا اور اگر نہیں بتاؤں گی تو شاید آپ ہی آپ میں بک دوں گی دیواروں سے کہہ دوں گی خادموں سے کہہ دوں گی تُنگ کے پیڑ سے کہہ دوں گی شاید چیختی چلاتی ہوئی عدالت میں جا کر سب کے سامنے کہہ دوں گی۔ اب تو کہنا ہی پڑے گا۔ شاید تم نے ٹھیک ہی کہا۔ قتل کی اپنی ایک شخصیت ہوتی ہے قاتل اور مقتول کے علاوہ اور وہ ایک سائے کی طرح پیچھا کرتی ہے اور اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تلک سب کے سامنے اس کی ہستی کا اعتراف نہ کر لیا جائے۔"

"مگر آپ نے اس کام کے لئے مجھ کو کیوں چُنا؟"

"کیوں کہ دوسرے لوگ قتل سے ملوث ہو چکے ہیں وہ جو مجھ پر شبہ کرتے ہیں اور کچھ کرتے نہیں وہ جنہوں نے سنا ہے اور خاموش ہیں وہ جنھوں نے خوشامد کی ہے۔ اور رشوت لی ہے وہ جنھوں نے آنکھیں چرائی ہیں اور جنھوں نے بھول جانا مناسب سمجھا ۔ وہ سب کسی نہ کسی طرح اس قتل میں میرے ساجھے دار ہیں ان کو بتانے سے کیا حاصل وہ تو اس قتل کا بوجھ کسی نہ کسی صورت سے اپنے کندھے پر لئے پھرتے ہیں۔ان کو بتا کر میں کیا کروں گی اس کام کے لئے مجھے ایک مکمل اجنبی کی ضرورت تھی ۔ اِس لئے میں نے تمہارا انتخاب کیا۔"

"شکریہ"۔ میں نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا ــــ "تو اب میں جاؤں؟"

"نہیں بیٹھو ــــ" وہ تحکمانہ لہجہ میں شدید سختی سے بولی۔

میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس کی سانس پھول رہی تھی چہرہ پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جا رہا تھا اس نے رُک رُک کر مجھ سے پوچھا۔

"کیا وقت ہے؟"

"چھ بجنے میں دس منٹ ہیں مگر آپ اپنی خواب گاہ میں گھڑی نہیں رکھتیں؟"

"رکھی تھی ۔ مگر میں نے اُسے ڈرائنگ روم میں منتقل کرا دیا ہے ابھی چھ بجنے پر تم اُس کلاک کا گانگ ڈرائینگ روم سے سنو گے"۔

"کیا اس کلاک کا بھی اس داستان سے کوئی تعلق ہے؟"

"ٹھیک طرح سے ہے اور تمہیں انتخاب کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج میں اپنے قریب ایک ایسا آدمی چاہتی ہوں جو جدید تہذیب کا ہو اور سائینس سے واقفیت رکھتا ہو میں بھی وہمی عورت نہیں ہوں میں پُر اسرار اور مافوق الفطرت چیزوں میں اعتقاد نہیں رکھتی ہوں مگر ادھر کچھ دنوں سے جو اس گڑھی میں ہو رہا ہے

وہ اس قدر عجیب حیرت انگیز اور پُر اسرار ہے کہ اس کی کوئی توجیہہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اسی لئے میں نے تمہیں بلایا ہے کہ تم ایک ڈاکٹر ہو ممکن ہے کہ تم اس کی کوئی ایسی تشریح کر سکو جو اوہام سے پرے ہو اور انسانی ذہن کے قریب ہو گو میں سمجھتی ہوں کہ اب ایسا کرنا بھی ناممکن ہے پھر بھی میں تم پر بھروسہ کر سکتی ہوں ممکن ہے تم میرے بچاؤ کی کوئی صورت نکال سکو۔"

"بات کیا ہے؟"

"ادھر چند دنوں سے عجیب و غریب واقعات ہو رہے ہیں شائد تمہیں معلوم نہیں کہ ڈرائنگ روم میں جہاں میری نظر کے سامنے کنور راج بہادر سنگھ کی تصویر لگی ہے وہاں ایک ہفتہ پہلے تک اُرملا کی تصویر لگی تھی جسے میں ہر روز ہار پہنایا کرتی تھی برسوں سے یہ میرا معمول تھا اور اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ پھر جب کنور جی مر گئے تو میں نے ان کی بھی ایک تصویر مخالف دیوار پر لگا دی اور ہر روز اسے بھی ہار پہنانے لگی۔"

میں مسکرائے بغیر رہ نہ سکا۔ اس نے میری مسکراہٹ دیکھ لی مگر کچھ کہا نہیں اپنی داستان جاری رکھی۔

"اُرملا کی تصویر کے نیچے ـــــ بہت نیچے ایک کارنس ہے اس کارنس پر دو چھوٹی کیبنٹ سائز کی تصویریں دو الگ الگ فریم میں جڑی رکھی ہیں اور برسوں سے یہیں پڑی ہیں۔ ایک تصویر میری ہے دوسری میرے شوہر کنور راج بہادر سنگھ کی ــــ دونوں تصویریں برسوں سے ساتھ ساتھ کارنس پر اکٹھی رکھی تھیں اور ان کے اوپر دیوار پر اُرملا کی بڑی تصویر تھی چاندی کے فریم میں جڑی ہوئی جسے میں ہر روز ہار پہنایا کرتی تھی۔

"آج سے سات روز پہلے ایک عجیب واقعہ ہوا جب میں حسب معمول اُرملا کی

تصویر کو ہار پہنانے گئی تو میں نے دیکھا کہ پُرانا ہار اُرملا کی تصویر سے ٹوٹ کر نیچے کنور جی کی تصویر کے گرد حمائل ہو چکا ہے اس کو بہت سی باندیوں نے بھی دیکھا اور تعجب میں گھری رہ گئیں۔

میں نے کہا "یہ محض ایک اِتفاق ہو سکتا ہے ہار کا تاگہ کمزور رہا ہوگا ہوا کے کسی جھونکے سے یا فریم کے دباؤ سے ٹوٹ کر نیچے گر پڑا۔ نیچے کنور جی کی تصویر تھی اس کے گرد حمائل ہو گیا —— سب بات سمجھ میں آتی ہے۔"

"پہلے دن کی بات کوئی عجیب بات نہیں ہے کوئی بھی اسے اتفاق پر محمول کریگا میں نے بھی یہی کیا۔ در حسب معمول کسی تردّد یا پریشانی یا حواس کا اظہار کئے بغیر اس پرانے ہار کو اٹھوا کر پھینکوا دیا اور نیا ہار اُرملا کی تصویر کے گرد چڑھا دیا۔"

"مگر دوسرے دن جب میں اُرملا کی تصویر کو ہار پہنانے گئی تو وہ ہار بھی ٹوٹ کر کنور راج کی تصویر کے گرد حمائل ہو چکا تھا۔"

رانی جی نے اتنا کہہ کر میری طرف غور سے دیکھا جیسے انہوں نے مجھے چت کر دیا ہو۔ میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "دوسرے دن کا واقعہ بھی ایک اتفاق ہو سکتا ہے —— یا —— کسی کی شرارت .....؟"

"میں نے بھی ایسا سوچا تھا" رانی جی نے کہا "اور اسی لئے میں نے اُسی دن اُرملا کی تصویر کو وہاں سے اُتروا کر مخالف دیوار پر لگوایا جہاں کنور جی کی تصویر تھی اور کنور جی کی تصویر کو وہاں لگا دیا جہاں اُرملا کی تصویر تھی یعنی جہاں پر اب وہ مجھے دکھائی دیتی ہے۔"

"پھر کیا ہوا؟ کیا تیسرے دن بھی ہار ٹوٹ کر گرا؟"

"نہیں ....." وہ بولی "مگر اس دن ایک اور عجیب واقعہ ہوا۔ شام کے چھ بجے میں اسی بستر پر اکیلی لیٹی تھی پہلے میں نے اپنے خوابگاہ کے کلاک کے گانگ

کی آواز سُنی وہ اس دن تمہارے جانب بائیں طرف کی دیوار پر لٹکا ہوا تھا جب میں نے وقت دیکھنے کے لئے اس پر نگاہ ڈالی تو مجھے وہ کلاک عجیب سا دکھائی دیا اس کا ڈائل ایسا لگا جیسے کسی خوفناک چیز کا چہرہ ہو اور اس کی سوئیاں جیسے دو بڑے بازو ہوں اور گھنٹوں کے حروف جیسے بہت سی بڑی بڑی آنکھیں ہوں۔ جو پٹ پٹ میری طرف سوالیہ انداز میں دیکھ رہی ہوں۔

" میں نے گھبرا کر کلاک سے نظریں ہٹا لیں تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے فضا کا سناٹا بہت بڑھ گیا ہے خوابگاہ اور ادھ کھلے ڈرائینگ روم کی روشنیاں اک دم مدھم پڑ گئی ہیں اور میں دنیا سب کی نظروں سے دُور اس کمرہ میں اکیلی قید کر دی گئی ہوں۔ میرا دم گھٹنے سا لگا۔ میں نے یہ کمرہ چھوڑ کر ڈرائینگ روم میں جانے کا قصد کیا تو میں یکایک چیخ مار کے رہ گئی۔ میں نے کیا دیکھا کہ اس دیوار پر جہاں کنور راج بہادر سنگھ کی تصویر لگی ہے اس دیوار پر ایک اور تصویر سرکتی ہوئی چلی آرہی ہے ۔۔۔ روشنیوں اور سایوں کی جھلملاتی شطرنجی میں ایک تصویر بڑھتی چلی آرہی ہے۔ بڑھتے بڑھتے وہ تصویر کنور راج کی تصویر کے ساتھ لگ گئی۔ میں دھک سے رہ گئی یہ اُرملا کی تصویر تھی میرا دماغ چکر کھانے لگا بڑی مشکل سے میں نے اپنا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر دیکھا واقعی اُرملا کی تصویر تھی جو مخالف دیوار سے ہٹ کر کسی پُراسرار طریقہ سے چلتی ہوئی اپنی پُرانی جگہ پر آن پہنچی تھی۔ خوف اور وحشت سے میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر جب آنکھیں کھولیں تو ـــــــ وہ تصویر وہیں موجود تھی اور اب میری طرف دیکھ کر ایک طنزیہ مسکراہٹ سے مسکرا رہی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ اُرملا تصویر کے فریم کے اندر اپنی جگہ سے سرکنے لگی۔ سرکتے سرکتے کنور راج کی تصویر کے فریم کے پاس پہنچ گئی۔ پھر جیسے فریم پگھل گیا۔ پھر جیسے دونوں تصویریں ایک ہو گئیں۔ اب اُرملا میرے شوہر کے قریب کھڑی مسکرا رہی تھی جو ہاتھ

میں رائفل لئے کھڑے تھے۔ وہ بار بار ایک انگلی اٹھا کر میری طرف اشارہ کرتی تھی۔
اور انہیں اپنی رائفل اٹھانے کا مشورہ دیتی تھی۔ بار بار مشورہ دیتی تھی اور وہ مسکرا کر
ایک ہاتھ اس کی کمر میں ڈال کر انکار کرتے تھے۔ انکار کرتے تھے اور اس سے پیار کرتے
تھے۔ میں نے غصہ میں آ کر آنکھیں بند کرلیں۔ لحاف اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ چند منٹ
کے بعد جو سر لحاف سے نکالا تو اُرملا اسی طرح کنور راج کی باہوں میں لپٹی ہوئی تھی۔
اور وہ دونوں میری طرف دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔"

"ایسا ہو نہیں سکتا۔" میں نے سختی سے سر ہلا کر کہا "سب آپ کے دماغی
خلجان کا نتیجہ ہے آپ اپنا ذہنی توازن کھو چکی ہیں۔"

"جو میں کہتی ہوں وہ بالکل سچ ہے اسی لئے میں نے تمہیں بلوایا ہے آج تم۔
اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے یہ کوئی ایک دن کا واقعہ نہیں ہے۔ پچھلے پانچ روز سے
یہی ہو رہا ہے۔ اسی طرح چھ بجتے ہیں اسی طرح تصویر چلتی ہے کنور جی کی تصویر سے
لگ جاتی ہے بیچ کا فریم ٹوٹ جاتا ہے۔ دونوں تصویریں ایک ہو جاتی ہیں اُرملا
میرے شوہر کو اشارہ سے مجھ پر رائفل چلانے کے لئے کہتی ہے وہ مسکرا کر انکار کرتے
ہیں دونوں مصروفِ اختلاط ہو جاتے ہیں اور وہ کمبخت وہ مُردار اُرملا میری آنکھوں
کے سامنے مجھے جی جان سے جلاتی ہے، گزشتہ پانچ روز سے یہی ہو رہا ہے اور آج
ایسا لگتا ہے جیسے کوئی بہت بڑی بات ہونے والی ہے کیونکہ آج اُرملا کی برسی ہے۔
آج رہ رہ کر میرا دل ڈوب رہا ہے۔"

یکایک ڈرائنگ روم سے ایک خوفناک آواز آئی "ڈانگ!"
یہ ڈرائنگ روم کا کلاک تھا۔ چھ بجا رہا تھا اس کی بھاری گونج دار وحشت ناک
آواز خواب گاہ کے اندر چاروں طرف گونج رہی تھی ــــــ
ڈانگ! ــــ ڈانگ!! ــــ ڈانگ!!!

واقعی ایسا لگا جیسے ہمارے چاروں طرف سناٹا گہرا ہو گیا ہو جیسے ہمارے چاروں طرف خاموشی کا سمندر پھیل گیا ہو اور ہم اکیلے ایک سنسان بند کمرہ میں اکیلے کھڑے ہوں۔ ایک لمحہ کے لئے مجھے بھی ایسا لگا جیسے ڈرائنگ روم اور خواب گاہ کی بتیاں بہت مدھم پڑ گئی ہیں روشنی گھٹ گئی ہے تاریکی بڑھ گئی ہے۔

"ڈانگ!!"

اس گہرے سناٹے میں میں نے رانی جی کی طرف دیکھا اس کا چہرہ اکدم پیلا پڑ گیا تھا۔ بڑی بڑی گہری سبز پتلیوں میں خوفناک وحشت نمایاں تھی۔ اس کا سارا جسم گویا کسی تیز بخار کی حدت میں کانپ رہا تھا۔

"ڈانگ!"

کلاک چھ بجا کر چپ ہو گیا پھر ایسی خاموشی آئی جیسے قیامت سے پہلے آتی ہے۔ اس سناٹے میں میری باہنوں کے بال کھڑے ہو گئے اور میرے سارے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں اور میں نے دیکھا کہ رانی کی آنکھیں گویا اپنے حلقے سے باہر ابلی پڑ رہی ہیں۔ کسی خوفناک تاثر نے ان کے چہرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور ایک ہاتھ اپنے گلے پر رکھے رکے ہوئے حلق سے کہہ رہی ہیں۔

"وہ دیکھو ...... وہ دیکھو ...... تصویر آ رہی ہے!"

میں نے ایک لمحہ کے لئے خود خواب گاہ کے دروازے سے پرے ڈرائنگ روم کی جھلملاتی روشنیوں اور سایوں میں دیکھنے کی کوشش کی پھر میں مبہوت ہو کر رانی کا چہرہ دیکھنے لگا جس کے خدوخال میری آنکھوں کے سامنے بگڑ رہے تھے اس کی گہری سبز پتلیوں میں کوئی خوفناک غیر مرئی ہیولا ناچ رہا تھا اس کا دم رک رہا تھا۔ اور وہ بڑی مشکل سے کہہ رہی تھی!

"دیکھو۔ وہ دونوں تصویریں ایک ساتھ ہو گئیں ارملا کنور راج کے پاس پہنچ

گئی ۔"

رانی جی کے ہونٹوں سے کف نکل رہا تھا۔

"وہ اس سے رائفل اٹھانے کو کہہ رہی ہے!"

"ہے رام ..... اس نے رائفل اٹھالی ......"

میں یک لخت اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف جانے لگا یکایک پیچھے سے ایک زور کی چیخ سنائی دی۔ یہ رانی جی کی آواز تھی۔ یہ چیخ سن کر میں ڈرائنگ روم کی طرف جاتے جاتے پلٹ آیا اور بھاگ کر رانی جی کے بستر کے پاس پہنچا۔

رانی کا جسم تکیوں نے نیچے اوندھا گرا پڑا تھا۔ میں نے جلدی سے جسم کو اٹھا کر جو سیدھا کیا تو سیدھے میری نگاہ اس کی آنکھوں میں گئی وہ گہری سبز پتلیاں بے جان اور ساکت تھیں۔ چیتے کی آنکھیں مر چکی تھیں۔

میں نے جلدی سے نبض ٹٹولی نبض غائب تھی۔ دل کی طرف نگاہ کی رانی جی اپنے دونوں ہاتھوں سے دل کو یوں پکڑے تھیں جیسے گولی سیدھے ان کے دل میں لگی ہو۔ میں نے دونوں ہاتھ ہٹا کے دل کی حرکت ملاحظہ کی وہ دل کی حرکت بند تھی مگر گولی کا کہیں نشان نہ تھا۔

رانی جی کو وہیں بستر پر مردہ چھوڑ کر میں ڈرائنگ روم کی طرف بھاگا بھاگا بھاگتا سیدھا

ڈرائینگ روم کے وسط میں چلا گیا اور گھوم کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

ڈرائینگ روم میں کوئی نہ تھا۔ کنور جی اور اُرملا کی تصویریں الگ الگ دو مخالف دیواروں پر آمنے سامنے ایستادہ تھیں اور اپنی جگہ سے مطلق نہیں ہلی تھیں